اردو کا کلاسیکی ادب

قواعدِ زبانِ اردو

مؤلف

میر بہادر علی حسینی

مرتب

خلیل الرحمٰن داؤدی

مجلسِ ترقیِ ادب ○ لاہور

2
2
482

بعنوان صفحات تمکین و مکان بفضل خلاق زمین و زمان

۱۲

اردو کا کلاسیکی ادب

قواعد زبان اردو

مؤلف میر بہادر علی حسینی

مرتب خلیل الرحمٰن داؤدی

ناشر

مجلس ترقی ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

قواعدِ زبانِ اُردو۔ مؤلف: میر بہادر علی حسینی ترتیب و حواشی: خلیل الرحمٰن داؤدی

طباعتِ دوم: مئی ۲۰۰۸ء/جمادی الاوّل ۱۴۲۹ھ تعداد: ۱۱۰۰

[اشاعتِ اوّل: دسمبر ۱۹۶۳ء تعداد: ۲۲۰۰]

ناشر : شہزاد احمد

ناظم مجلسِ ترقیِ اَدب، لاہور

اہتمام : اشرف جاوید

مطبع : علی پرنٹرز، ۱۹۔اے ایبٹ روڈ، لاہور

قیمت : ۸۰ روپے

یہ کتاب محکمۂ اطلاعات وثقافت وامورِ نوجوانان، حکومتِ پنجاب کے تعاون سے شائع ہوئی

فہرس

صفحہ	عنوان
۷ تا ۴۸	مقدمہ از خلیل الرحمٰن داؤدی
	مقالۂ اوّل مفردات میں
۵۱	**کلمہ**
۵۱	اسم
۵۱	تقسیم اسم کی باعتبار اشتقاق وعدم اشتقاق کے
۵۱	اسم جامد
۵۲	اسم مصدر
۵۲	اسم مشتق
۵۲	اسم فاعل
۵۳	اسم مفعول
۵۳	اسم حالیہ
۵۳	اسم تفضیل
۵۴	اسما باعتبار تعین وعدم تعین
۵۴	اسم نکرہ
۵۴	اسم معرفہ
۵۵	علم

ضمیر ۵۵
اسم اشارہ ۵۷
اسماموصول ۵۷
تقسیم اسم بہ اعتبار دلالت کرنے کے معنی اسمی و صفتی پر ۵۷
تبدیل و عدم تبدیل تذکیر و تانیث اور اسما کی حالات اور وحدت و جمعیت ۶۶
عدم تبدیل ۶۶
تبدیل ۶۶
مذکر و مونث حقیقی و غیر حقیقی ۶۷
حالات اسما کے بیان میں ۷۳
حالتِ فاعلیت ۷۳
حالتِ مفعولیت ۷۳
حالتِ اضافت ۷۴
حالتِ ظرفیت ۷۵
حالتِ ندا ۷۵
بیان میں وحدت و جمعیت کے ۷۶
فعل ۷۹
بنائے افعال اور ان کی تعریف ۸۰
اقسام فعل ۸۹
فعلِ وضعی و غیر وضعی اور فعلِ مفرد و غیر مفرد ۸۹
افعال کی تذکیر و تانیث و وحدت و جمعیت اور دیگر احکام ۹۰
افعال صحیح و غیر صحیح ۹۱

مجاز	۹۳
حرف	۹۹

مقالۂ دوم مرکبات میں

مرکب غیر کلامی	۹۹
ترکیب توصیفی	۹۹
ترکیب اضافی	۱۰۰
ترکیب تعدادی	۱۰۰
ترکیب امتزاجی	۱۰۰
کلام اور جملہ	۱۰۳
جملۂ اسمیہ	۱۰۳
جملۂ فعلیہ	۱۰۳
خاتمہ	۱۰۴
حال	۱۰۴
تمیز	۱۰۴
موضوع یا معنی	۱۰۵
صفت	۱۰۵
عطف	۱۰۵
تاکید	۱۰۵
بدل	۱۰۵
موضوع مہمل	۱۰۵
بعضے فوائد میں	۱۰۶

مقدمہ

از

خلیل الرحمٰن داؤدی

maablib.org

رسالۂ گل کرسٹ سے
قدیم تر لغات و قواعدِ زبانِ اردو کی کتابیں

گل کرسٹ کی کتاب 'ہندوستانی زبان کے قواعد' سے پہلے بھی اردو لغات و قواعد سے متعلق چند کتابیں موجود تھیں، وہ تمام کتابیں یورپ والوں کی کوششوں کا ثمرہ تھیں۔ گل کرسٹ کے کارنامے پر نظر ڈالنے سے پہلے ان کا جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ اس روشنی میں گل کرسٹ کے وقیع کام کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ گل کرسٹ سے قبل ہندوستانی زبان کے لغات و قواعد پر جن بزرگوں نے قلم اٹھایا اُن کی کیفیت یہ ہے:

(۱) گریرسن نے ''لنگوسٹک سروے آف انڈیا'' کی جلد نہم میں ہندوستانی زبان کے لغات و قواعد کا جائزہ لیا ہے؛ چناں چہ سب سے پہلی لغت کے متعلق گریرسن مسٹر کورج Quaritch کی اورینٹل کیٹلاگ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کے پاس ایک قلمی مسودہ تھا جو فارسی، ہندوستانی، انگریزی اور پرتگالی الفاظ کے لغات کو محتوی تھا اور جس کی تالیف ۱۶۳۰ء میں بہ مقام سورت ہوئی تھی۔ فارسی الفاظ اپنے اصل خط اور رومن حروف میں تھے، ہندوستانی الفاظ کے لیے رومن اور گجراتی رسم خط استعمال کیا گیا تھا، گریرسن کو وہ کیٹلاگ ہاتھ نہ آ سکی تھی۔

(۲) گریرسن نے ایک اور ہندوستانی لغت کا سراغ دیا۔ اس کا مؤلف فرانسس کس تیورونن سس Franciscus Turonensis ہے۔ اس تالیف کا نام Lexicon Linguae Indostanicae ہے۔ یہ کتاب ۱۷۰۴ء میں بہ مقام سورت تیار ہوئی،

اس کی دو جلدیں تھیں، ہر جلد میں دو کالمی تقریباً پانچ پانچ سو صفحات تھے۔ کسی زمانے میں اس کا مسودہ روم کی پروپگنڈا لائبریری میں موجود تھا لیکن ۱۸۹۰ء میں جب گریرسن نے اسے دیکھنا چاہا تو وہاں اس کا پتا نہ تھا۔

(۳) مرقومہ بالا دونوں کتابیں ہندوستانی زبان کے لغات سے متعلق تھیں۔ ہندوستانی زبان کے قواعد سے متعلق سب سے پہلی کتاب جان جوشوا کیٹلر John Joshua Ketelaer کی ہے۔ یہ شخص ہالینڈ کا باشندہ تھا اور لوتھر کا پیرو تھا، ہالینڈ کے سفیر کی صورت میں ۱۷۰۸ء سے ۱۷۱۲ء تک وہ بہادر شاہ اول اور جہاں دار شاہ کے درباروں میں رہا۔ اس کے بعد وہ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ناظمِ تجارت ہو کر سورت چلا گیا۔ ۱۷۱۶ء تک وہ سُورت میں Director of Trade رہا، بعد میں وہ ایران کا سفیر مقرر کیا گیا تھا۔ اصفہان سے واپسی پر خلیج فارس کے مقام گمرون میں اسے بخار آ گیا اور وہیں اس کا انتقال ہو گیا۔

اس نے ہندوستانی زبان کے قواعد و لغت بزبان لاطینی مرتب کیے تھے۔ اس کی کتاب کی اشاعت اول ۱۷۴۳ء میں ڈیوڈ مل (David Mill) کے ہاتھوں لیڈن سے ظہور میں آئی۔ اس کا زمانۂ تالیف مولوی عبدالحق صاحب کے قیاس کے مطابق ۱۷۱۵ء ہے (مقدمۂ قواعدِ اردو)۔ یہ کتاب لاطینی زبان میں ہے لیکن ہندوستانی الفاظ رومن حروف میں ہیں اور حروف کے دائروں میں ہندوستانی الفاظ فارسی رسمِ خط میں موجود ہیں البتہ ان الفاظ کا املا ڈچ زبان کے مطابق ہے۔ گریرسن کا کہنا ہے کہ اس کتاب میں دیوناگری رسمِ خط کے نمونوں کی کچھ تصاویر بھی دی گئی ہیں اور ہندوستانی زبان میں (رومن رسمِ خط میں) انجیل کے چند مقامات کا ترجمہ دیا ہے جو گریرسن کے خیال کے مطابق ہندوستانی زبان میں ایک یورپین زبان کا سب سے پہلا ترجمہ ہے؛ یہ ترجمہ اٹھارھویں صدی عیسوی کے آغاز کی اردو نثر کا ایک قابلِ قدر نمونہ ہے۔

(۴) کیٹلر کی کتاب کے شائع ہونے کے ایک سال بعد ہی ۱۷۴۴ء میں ایک اور

ہندوستانی گرامر شائع ہوئی۔ اس کے مؤلف ایک عیسائی مبلغ بنجامن شولز تھے، ان کا رسالہ بھی لاطینی زبان میں تھا۔ اس کا نام Grammatica Indostanica تھا۔ مولوی عبدالحق کے قول کے مطابق ۱۷۴۴ء میں شائع ہوا (مقدمۂ قواعدِ اردو) لیکن محمد عتیق صدیقی صاحب نے "گل کرسٹ اور اس کا عہد" کے صفحہ ۵۱ پر اس کی اشاعت کا سن ۱۷۴۵ء دیا ہے۔ اس کتاب میں ہندوستانی الفاظ فارسی رسمِ خط میں بھی لکھے گئے تھے اور دیوناگری کی وضاحت بھی کی گئی تھی۔

(۵) ہندوستانی زبان کے قواعد پر انگریزی زبان میں سب سے پہلی تالیف ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک سول ملازم مسٹر گلسٹن کی ہے جو گورنر ونسی ٹارٹ (Vansittart) کا سکرٹری تھا۔ گل کرسٹ کی نظر سے گلسٹن کا یہ مقالہ گزرا تھا؛ چناں چہ اس نے قواعد و لغت کے ضمیمے میں اس کی بہت تعریف کی ہے، گل کرسٹ کو یہ مقالہ مسٹر چیٹ فیلڈ (Chatfield) نے فراہم کیا تھا۔ ('گل کرسٹ اور اس کا عہد، ص ۵۱)۔

(۶) ہندوستانی زبان کے قواعد و لغت کے سلسلے میں گلسٹن کے بعد ہیڈلے (Hadley) کا نمبر آتا ہے۔ اس نے ۱۷۶۵ء میں ہندوستانی زبان کے صرف و نحو پر ایک رسالہ لکھا یہ رسالہ بہت مقبول ہوا اور بار بار شائع کیا گیا۔ اس موضوع پر انگریزی زبان میں یہ اولیں کتاب تھی۔ ہیڈلے کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، محمد عتیق صدیقی صاحب نے انتہائی کوشش کے بعد دو تین باتیں معلوم کی ہیں: ۱۷۶۳ء میں وہ بنگال آرمی میں داخل ہوا، ۱۷۶۶ء میں وہ کپتان ہو گیا، ۲ نومبر ۱۷۷۱ء کو اس نے ملازمت سے سبک دوشی کے لیے درخواست دے دی تھی۔

ہیڈلے کو ہندوستانی سپاہیوں کی ایک کمپنی کی سربراہی سپرد کی گئی: چناں چہ اس نے ۱۷۶۵ء میں ان سپاہیوں کی زبان کے قواعد مرتب کیے۔ لندن کے ایک تاجر نے ہیڈلے کی یہ کتاب ۱۷۷۰ء میں ہی چھاپ دی تھی لیکن ہیڈلے نے اس پر نظرِ ثانی کر کے اپنی نگرانی میں اس کا پہلا ایڈیشن ۱۷۷۲ء میں لندن ہی سے شائع کیا۔ اس

کے بعد ہیڈلے کی کتاب ۱۷۷۴ء، ۱۷۷۹ء ، ۱۷۹۳ء ، ۱۷۹۷ء میں چھپی۔
ہیڈلے کی وفات کے بعد اس کے دو ایڈیشن اور شائع ہوئے؛ پہلا ۱۸۰۲ء میں اور آخری ۱۸۰۹ء میں۔ ہیڈلے کی وفات کے بعد ۱۸۰۲ء والے ایڈیشن کی تصحیح مرزا محمد فطرت لکھنوی نے کی تھی اور اس میں اضافے بھی کیے تھے۔
گل کرسٹ کی لغت ۱۷۹۰ء میں شائع ہو گئی تھی۔ ہیڈلے نے اپنی کتاب کے ۱۷۹۷ء والے ایڈیشن میں گل کرسٹ کی لغت کو چند مقامات پر استعمال کر لیا تھا لیکن حوالے صرف دو جگہ دیے تھے۔ اس سلسلے میں گل کرسٹ نے ہیڈلے کے خلاف جی کھول کر زہر چکانی کی جسے اربابِ تحقیق کچھ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے ہیں۔
جارج ہیڈلے کی صرف و نحو مع فرہنگ انگریزی و سور کے اردو الفاظ فارسی رسم خط میں ہیں۔ ان الفاظ کا خصوصی طور پر تذکرہ کیا ہے جو متحد الصوت اور مختلف المعانی ہیں۔

(۷) ہیڈلے کی لغت و قواعد کا پہلا باقاعدہ ایڈیشن ۱۷۷۲ء میں لندن سے شائع ہو گیا تھا۔ اس کے ایک سال بعد لندن سے ہی ۱۷۷۳ء میں مسٹر جے۔ فرگسن (J.Furguson) نے ہندوستانی زبان کا لغت شائع کر دیا۔ اس کا نام (A short Dictionary of the Hindostan Language) تھا، اس کے دو حصے تھے: انگریزی سے ہندوستانی اور ہندوستانی سے انگریزی، اس میں اردو کے الفاظ رومن حروف میں ہیں۔ ان دو حصوں کے علاوہ اس کتاب میں ہندوستانی زبان کے قواعد پر بھی ایک مقالہ موجود تھا۔

(۸) مولوی عبدالحق صاحب نے مقدمۂ قواعد اردو میں ہندوستانی زبان کے قواعد سے متعلق ایک کتاب کا نام 'پرتگیز گرمیٹکا اندوستان' بتایا ہے جو لزبن (پرتگال) سے ۱۷۷۸ء میں شائع ہوئی تھی لیکن اس کے مؤلف کا نام نہیں دیا ہے اور نہ اس کتاب کی کچھ کیفیت ہی بتائی ہے۔

(۹) محمد عتیق صدیقی صاحب نے 'گل کرسٹ اور اُس کا عہد' میں ڈاکٹر فرانسس بال

فور کے ایک خط مورخہ ۲۵ جنوری ۱۷۸۵ء کے کچھ مطالب نقل کیے ہیں۔ وہ خط ڈاکٹر بال فور کی جانب سے وارن ہیسٹنگز "گورنر جنرل و ممبران کونسل" کے نام ہے۔ اس خط میں ڈاکٹر بال فور نے انشائے ہرکرن کے ترجمے کی طباعت کے متعلق لکھا تھا اور ضمنی طور پر اپنے اس مقالے "فارسی اور ہندوستانی زبانوں میں عربی الفاظ" کا ذکر بھی کیا تھا جو مجلہ ایشیاٹک ریسرچز (Asiatic Researches) میں شائع ہو چکا تھا۔ اس سے معلوم ہو گیا ہے کہ ڈاکٹر بال فور کا یہ مقالہ ۱۷۸۵ء سے بہت پہلے شائع ہو چکا تھا۔

(۱۰) اس زمانے کی ایک اور عجیب و غریب شخصیت مسٹر لے۔ بی۔ ذف کی ہے۔ یہ شخص ۱۷۸۵ء میں مدراس میں وارد ہوا۔ یہ بینڈ ماسٹر تھا۔ دو سال تک مدراس میں قیام کے بعد کلکتے چلا گیا۔ کلکتے میں اس نے ایک پنڈت سے سنسکرت، بنگالی اور ہندوستانی (جسے وہ ہندوستان کی مخلوط زبان کہتا ہے) حاصل کی۔ تھوڑے زمانے کے بعد ہی اُس نے دو ناٹکوں کو بنگالی زبان کا جامہ پہنایا۔ اُن میں سے ایک ناٹک پبلک میں بہت مقبول ہوا۔ ایڈلنگ کے بیان کے مطابق اس کے بعد وہ دربار مغلیہ میں تھیٹر کا مہتمم ہو گیا۔ اس طرح سے اس نے مشرق میں بیس سال گزارے اور واپس انگلستان چلا گیا۔ لندن میں اس نے اپنا رسالۂ قواعد شائع کیا۔ اس کی گریمر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید بہ نسبت ہندوستانی زبان کے اس کا علم بنگالی اور سنسکرت میں زیادہ ہو کیوں کہ اس نے ہندوستانی گریمر میں نہ صرف الفاظ کا تلفظ غلط لکھا ہے بل کہ قواعد کے بیان کرنے میں بھی بہت سی صریح غلطیاں کی ہیں۔

(لنگوسٹک سروے آف انڈیا مرتبہ گریرسن جلد ہشتم)

(۱۱) گل کرسٹ کی لغت کے ساتھ ساتھ ہی کپتان ڈاکٹر ہنری ہیرس (Henry Harris) کی کتاب (Analysis, Grammar and Dictionary of Hindostany Language) بھی مدراس سے ۱۷۹۱ء میں شائع ہوئی۔ اس

کتاب کے متعلق گل کرسٹ لکھتا ہے کہ اس لغت کی ترتیب و تالیف میں ڈاکٹر ہیرس نے "بڑی محنت اور صحت" سے کام لیا تھا اور یہ کتاب ہندوستانی زبان کے مولف کی پوری پوری واقفیت کے ناقابلِ تردید ثبوت فراہم کرتی ہے۔ گل کرسٹ نے اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ ڈاکٹر ہیرس کے لغت سے کچھ الفاظ انھوں نے اپنے 'ضمیمے' میں شامل کر لیے ہیں۔ گریرسن کا خیال ہے کہ اس کتاب کی صرف ایک جلد ہی شائع ہوئی، دوسری جلد شائع نہ ہو سکی۔

ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی کتاب 'ہندوستانی زبان کے قواعد' ۱۷۹۶ء میں شائع ہوئی۔ اس سے قبل مرقومہ بالا کم از کم گیارہ کتابیں اور اس فن پر تالیف و شائع ہو چکی تھیں جن کے سنین تالیف و اشاعت یہ ہیں:

۱۶۳۰ء ، ۱۷۰۴ء ، ۱۷۴۳ء (سن اشاعت)، ۱۷۴۴ء (سن اشاعت) مقالۂ گلشن، ۱۷۷۲ء (سن اشاعت)، ۱۷۷۳ء ، ۱۷۷۸ء قبل از ۱۷۸۵ء ،تالیف لے۔بی۔ڈ ف، ۱۷۹۱ء۔

ڈاکٹر جان گل کرسٹ کے حالاتِ زندگی

یہ ایک عجیب بات ہے کہ اُس زمانے میں ہندوستانی زبان کے قواعد ولغت پر کام کرنے والوں میں طبی ملازمت کے اراکین پیش پیش تھے: ڈاکٹر فرانسس بال فور طبیب تھے، ڈاکٹر ہنری ہیرس بھی افواج مدراس میں اسسٹنٹ سرجن تھے اور ڈاکٹر جان گل کرسٹ (Dr.John Borthwick Gilchrist) بھی ایسٹ انڈیا کمپنی میں سرجن تھے۔ ڈاکٹر جان گل کرسٹ کے نام کے ساتھ 'ڈاکٹر' کا لفظ ان کی طبی اہلیت کی وجہ سے لگا ہوا نہیں ہے بل کہ ۱۸۰۵ء میں انھیں ایڈنبرا یونیورسٹی نے ان کی علمی خدمات کے صلے میں ایل۔ ایل۔ڈی کی اعزازی ڈگری دی تھی: چناں چہ ۱۸۰۵ء سے قبل کی مطبوعہ کتابوں پر صرف جان گل کرسٹ (John Gilchrist) ملتا ہے، ڈاکٹر کا لفظ ۱۸۰۵ء کے بعد اضافہ ہوا ہے۔

افسوس ہے کہ ڈاکٹر جان گل کرسٹ کے ابتدائی حالات زندگی پردۂ خفا میں ہیں۔ اگر وہ خود اپنے کچھ حالات اپنی لغات وقواعد کے ضمیے (Appendix) میں نہ لکھتے تو ہمیں آج ان کی چند تصانیف کے ناموں کے علاوہ کچھ بھی معلوم نہ ہوتا لیکن 'ضمیے' میں انھوں نے صرف ہندوستان کے قیام کے حالات لکھے ہیں، یہ نہیں معلوم کہ ہندوستان آنے سے پہلے ان کا وقت کس طرح اور کہاں کہاں گزرا۔ تمام مورخینِ ادبیاتِ اردو کا اس پر اتفاق ہے کہ گل کرسٹ کی پیدائش ۱۷۵۹ء میں بہ مقام ایڈنبرا (Edingburgh) ہوئی، انھوں نے طبی تعلیم (George Hospital Heriot's) واقع ایڈنبرا میں حاصل کی (A History of Urdu Literature, by Ram Babu Saksena, Allahabad1927,P.242)۔ محمد عتیق صدیقی صاحب نے گل کرسٹ کے متعلق انتہائی تجسس وتلاش کے بعد ایک تحقیقی کتاب تحریر فرمائی ہے لیکن افسوس ہے کہ گل کرسٹ کے

ابتدائی حالات کے سلسلے میں اُن سے پہلے جتنے لوگوں نے جو دو تین جملے لکھے تھے، عتیق صاحب اُن پر کچھ اضافہ نہ کر سکے۔

محمد عتیق صدیقی صاحب نے گل کرسٹ کے خطوط، ایسٹ انڈیا کمپنی کا ریکارڈ اور دیگر سرکاری و غیر سرکاری دستاویزات کی مدد سے اپنی 'گل کرسٹ اور اس کا عہد' تیار کی ہے۔ یہ کتاب انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڑھ نے ۱۹۶۰ء میں شائع کی ہے لیکن عتیق صاحب نے اس کتاب کا خاکہ ایک مضمون کی صورت میں ماہنامہ 'آجکل' دہلی بابتہ ستمبر ۱۹۵۹ء میں شائع کر دیا تھا۔ عتیق صاحب سے پہلے گل کرسٹ کے متعلق جن اصحاب نے کچھ لکھا تھا، اُن کے وسائل بہت ہی محدود تھے اس لیے ان کو اس درجہ مطعون کرنا مناسب نہیں ہے۔ اتفاق ہے کہ عتیق صاحب کو ایسا ریکارڈ مل گیا جس سے کچھ باتوں کی وضاحت ہو گئی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے سے پہلے لکھنے والوں کو معاف ہی نہ کریں۔

محمد عتیق صدیقی صاحب نے اپنا زور صرف ان تین باتوں کی تصحیح پر صرف کیا ہے:

۱۔ گل کرسٹ ۱۷۸۳ء میں نہیں بل کہ ۱۷۸۲ء میں ہندوستان پہنچا۔

۲۔ گل کرسٹ انگلستان سے براہ راست ملازم ہو کر ہندوستان نہیں آیا بل کہ یہاں ہندوستان آ کر ملازم ہوا۔

۳۔ ولزلی نے گل کرسٹ کو فورٹ ولیم کالج کا پرنسپل مقرر نہیں کیا بل کہ وہ اردو کا پروفیسر تھا۔ عتیق صدیقی صاحب نے ان تین غلطیوں کی بنا پر کافی لے دے کی ہے چلیے اگر عتیق صاحب نے گل کرسٹ کے خود نوشتہ حالات مشمولہ 'ضمیمہ' سے یہ معلوم کر لیا کہ وہ ۱۷۸۲ء میں ہندوستان آ گیا تھا تو یہ اتنی بڑی غلطی نہیں ہے کہ دوسروں کو معاف ہی نہ کیا جائے۔ رہا یہ معاملہ کہ گل کرسٹ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم ہو کر انگلستان سے آیا یا یہاں آ کر ملازم ہوا، عتیق صدیقی صاحب نے جس ثبوت پر اعتماد کیا ہے، وہ اتنا واضح نہیں ہے کہ عتیق صاحب کے نتیجہ کو ضرور صحیح سمجھا جائے؛ وہ گل کرسٹ کی خود نوشتہ جس عبارت سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں، وہ یہ ہے:

"۱۷۸۲ء میں بمبئی وارد ہوتے ہی میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ہندوستان میں میرا قیام خواہ اس کی نوعیت جو بھی ہو، اس وقت تک نہ تو میرے ہی لیے خوش گوار ہو سکتا

ہے اور نہ میرے آقاؤں ہی کے حق میں مفید ثابت ہو سکتا ہے جب تک کہ اس ملک کی مروجہ زبان میں پوری دستگاہ میں نہ حاصل کر لوں جہاں عارضی طور پر مجھے قیام کرنا ہے۔''

('گل کرسٹ اور اُس کا عہد' صفحہ ٦٦)۔

اگر گل کرسٹ ملازم ہو کر بمبئی نہیں پہنچے تھے تو پھر مذکورہ بالا 'آقا' اور خادم کا رشتہ کہاں سے ہو گیا؟ محمد عتیق صدیقی صاحب کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے کاغذات میں کرنل چارلس مارگن (Charles Morgan) کا ایک خط مورخہ ۲۶ جنوری ۱۷۸۳ء بنام وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل باجلاس کونسل ملا ہے۔ یہ خط سورت سے لکھا گیا ہے، اس میں تحریر ہے:

''۔۔۔ مسٹر ویڈ (Wade) جواب مستقل ہو چکے ہیں، ان کے تقرر سے چند روز قبل اسسٹنٹ سرجن کی خدمات انجام دینے کے لیے موخر الذکر (گل کرسٹ) کا تقرر عمل میں آیا تھا۔'' ('گل کرسٹ اور اُس کا عہد، صفحہ ٦٥)

عتیق صدیقی صاحب نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ گل کرسٹ کا تقرر بحیثیت اسسٹنٹ سرجن یہاں ہندوستان میں ہوا لیکن وہ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ گل کرسٹ جب انگلستان سے چلا تھا تو وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم نہیں تھا؟

تیسری بات جو محمد عتیق صدیقی صاحب نے کہی ہے یہ ہے کہ گل کرسٹ فورٹ ولیم کالج کا پرنسپل نہیں تھا بلکہ 'مدرسِ ہندی' یا اردو پروفیسر تھا۔ بے شک عتیق صاحب کی کوششیں لائقِ تحسین ہیں لیکن تحقیق کے میدان میں کوئی بات آخری نہیں ہوتی، بہ ہر حال پچھلے لوگوں کی تحقیق ناقص سہی لیکن کئی اعتبار سے قابلِ قدر ضرور ہوتی ہے۔ عتیق صاحب کی دسترس میں تو گورنمنٹ آف انڈیا کا تمام ریکارڈ تھا تب کہیں وہ ان نتائج پر پہنچے لیکن یہی باتیں ان سے پہلے ایسے لوگوں نے بھی لکھ دی ہیں جن کی رسائی اس ریکارڈ تک نہیں ہوئی تھی مثلاً گل کرسٹ کے ہندوستان میں وارد ہونے کا سن ۱۷۸۳ء کے بجائے ۱۷۸۲ء معلوم کرنے کا سہرا عتیق صاحب کے سر ہی نہیں بلکہ ان کی کتاب کی اشاعت سے ۴۳ سال

پہلے ۱۹۲۷ء میں مولوی سید محمد صاحب نے 'ارباب نثر اردو' میں لکھ دیا تھا:

''کمپنی کے عہدہ داروں نے ان کی مستعدی و اعلیٰ قابلیت کے مدنظر ۱۷۸۲ء میں ان کو طبی عہدہ دار مقرر کیا اور یہ بمبئی پہنچے۔'' ('ارباب نثر اردو' ناشر مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد طبع دوم ۱۹۳۷ء ، صفحہ ۱۸)۔فورٹ ولیم کالج میں گل کرسٹ کی حیثیت کے متعلق عتیق صاحب سے بہت پہلے کئی لوگوں نے وضاحت کر دی تھی کہ وہ اردو پروفیسر تھے؛ چناں چہ مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے مضمون 'اردو لغات و لغت نویسی' میں صاف صاف لکھا ہے:

''اس کے بعد ڈاکٹر جان گل کرسٹ کا مقام آتا ہے جو فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں اردو کے استادِ اعلیٰ تھے ۔۔۔۔۔''

مولوی عبدالحق صاحب کا یہ مضمون عتیق صدیقی صاحب کی تحقیقات سے پہلے شائع ہو چکا تھا۔ کراچی سے ایک ادبی مجلہ 'جائزہ' نکلتا ہے، جس میں دوسرے جرائد کی مطبوعہ اچھی تحریروں کا انتخاب ہوتا ہے؛ چناں چہ اکتوبر ۱۹۵۹ء کے شمارے میں مولوی صاحب کا یہ مطبوعہ مضمون بھی شامل ہے جو اس سے پہلے شائع ہو چکا تھا۔

گل کرسٹ کے اردو پروفیسر ہونے کی بابت عتیق صدیقی صاحب سے کم از کم تین سال قبل ۱۹۵۷ء کے آغاز میں جناب جمیل نقوی صاحب 'مشرب' کراچی کے صفحہ ۱۰۳۰ پر رقم طراز ہیں:

''فورٹ ولیم کالج کے قیام سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز ملازم پرائیوٹ طور پر اردو پڑھایا کرتے تھے۔ ڈاکٹر گل کرسٹ (جو بعد میں کالج کے شعبہ اردو کے صدر مقرر ہوئے) نے ایک نجی مدرسہ کھول رکھا تھا جہاں وہ انگریزوں کو اردو پڑھایا کرتے تھے۔''

یہی بات عتیق صدیقی صاحب کہتے ہیں کہ گل کرسٹ فورٹ ولیم کالج کے پرنسپل نہیں تھے بلکہ شعبۂ اردو کے صدر تھے لیکن ان کا یہ دعویٰ درست نہیں کہ یہ بات ان سے پہلے کسی

اور نے نہیں ہی۔ بات دراصل یہ ہے کہ تحقیقی کاموں میں غلطیوں کا امکان رہتا ہی ہے؛ عتیق صاحب کی کتاب کا بھی بغور مطالعہ کیا جائے تو یقیناً محلاتِ نظر سے دو چار ہونا ہی پڑے گا مثلاً جس قسم کی غلطیوں کی گرفت کے بعد وہ دوسروں کو نا قابل عفو سمجھتے ہیں، ان کی مرقومۃ الذیل عبارتوں میں کیا اسی قسم کی غلطیاں نہیں ہیں؟

(۱) ''بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں گراہم بیلی (Grahm Bailey) نے اردو ادب کی تاریخ اور مسٹر کے (E.F.Keay) نے ہندی ادب کی تاریخ لکھی۔'' (گل کرسٹ اور اس کا عہد، صفحہ ۳۴)

''بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی، سے مراد ۱۹۲۵ء سے قبل کا زمانہ ہے حالاں کہ یہ بالکل غلط ہے۔ گراہم بیلی کی کتاب عام طور پر ملتی ہے، اگر عتیق صاحب اسے ایک نظر دیکھنے کی تکلیف گوارا فرما لیتے تو یقیناً یہ عبارت نہ لکھتے۔ گراہم بیلی نے اگر چہ اپنی کتاب کی تکمیل ۱۹۲۹ء میں کر دی تھی لیکن اس کی اشاعت اولیں ایسوی ایشن پریس کلکتہ سے ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔ اس کے ٹائٹل کی کیفیت یہ ہے:

A History of Urdu Literature

By T Graham Bailey. D. Litt, B.D., M.A. Reader in Hindi and Urdu in the University of London, Formerly Missionary of the Church of Scotland. Association Press (Y.M.C.A) 5 Russel Street, Culcutta. Lodon: Gxford University Press, New York, Toronto, Malbourne, Bombay, Calcutta and Madras. 1932.

۱۹۲۹ء میں تمام ہونے والی اور ۱۹۳۲ء میں پہلی بار شائع ہونے والی کتاب کو ''بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں'' قرار دینا کیا اس سے کم تر درجے کی غلطی ہے کہ کوئی شخص ۱۷۸۲ء کے بجائے ۱۷۸۳ء لکھ دے؟

(۲) فورٹ ولیم کالج کے یوم تاسیس کے سلسلے میں عتیق صدیقی صاحب نے اپنی کتاب

میں کم از کم تین مقامات پر (صفحات ۴۲، ۱۳۷، ۱۴۰) یہ بتایا ہے کہ یہ کالج سرنگاپٹم پر انگریزوں کی فتح (ٹیپو سلطان کی شکست) کی یادگار کے طور پر فتح کی تاریخ کے ٹھیک ایک سال بعد قائم کیا گیا تھا۔ یہ ملحوظ رہے کہ تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سرنگاپٹم پر انگریزوں کو فتح ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو حاصل ہوئی تھی۔ اب صدیقی صاحب کے بیانات ملاحظہ فرمائیے:

(الف) ''کالج کا افتتاح تو ولزلی نے ۶ جون ۱۸۰۰ء کو کیا تھا۔۔۔۔ افتتاح کے لیے ۶ جون کا انتخابات اس لیے کیا گیا تھا کہ اس سے ٹھیک ایک سال پہلے ۶ جون ۱۷۹۹ء کو سرنگاپٹم میں انگریزی فوجوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی تھی، اس کی یادگار کے طور پر یہ کالج قائم کیا گیا تھا۔'' (گل کرسٹ اور اُس کا عہد، صفحہ ۴۲)

یہ بالکل غلط ہے کہ سرنگاپٹم میں انگریزوں کو کامیابی ۶ جون ۱۷۹۹ء کو ہوئی تھی بلکہ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو ٹیپو شہید ہو چکا تھا۔

(ب) ''ٹیپو سلطان کی شکست و شہادت کے چودہ مہینے بعد ۱۰ جولائی ۱۸۰۰ء کے مطابق ۴ ساون ۱۸۵۷ء سمبت اور ۱۷ صفر ۱۲۱۵ ہجری کو گورنر جنرل مارکوئیس آف ولزلی نے فورٹ ولیم کالج کی باضابطہ داغ بیل ڈالی۔۔۔۔''

(گل کرسٹ اور اس کا عہد، صفحہ ۱۳۷)

اگر عتیق صاحب کی صفحہ ۴۲ والی عبارت کو صحیح سمجھا جائے تو ٹیپو کی شکست کی تاریخ ۶ جون ۱۷۹۹ء ہے، یہی عتیق صاحب صفحہ ۱۳۷ پر ۶ جون ۱۷۹۹ء اور ۱۰ جولائی ۱۸۰۰ء کے درمیانی عرصے کو چودہ مہینے شمار کرتے ہیں۔ ارباب بصیرت خود فیصلہ صادر فرمادیں کہ کیا عتیق صاحب کا یہ حساب درست ہے؟ ساتھ ہی اس کا فیصلہ بھی ہو جائے کہ صفحہ ۴۲ پر تو کالج کا افتتاح ۶ جون ۱۸۰۰ء کو ہوتا ہے لیکن صفحہ ۱۳۷ پر یہی تاریخ ۱۰ جولائی ۱۸۰۰ء ہو جاتی ہے:

(ج) ''۱۰ جولائی ۱۸۰۰ کو کالج کا قیام عمل میں آیا تھا'' (گل کرسٹ اور اس کا عہد، صفحہ ۱۴۰)۔ ابھی اوپر آپ دیکھ چکے ہیں کہ صفحہ ۴۲ پر کالج کا قیام کی تاریخ ۶ جون ۱۸۰۰ء

ہے لیکن صفحات ۱۳۷ و ۱۴۰ پر اس کالج کے قیام ۱۰ جولائی ۱۸۰۰ء کو بتایا جاتا ہے۔
بہرحال میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں اس مقالے میں 'گل کرسٹ اور اُس کا عہد'
کی فروگزاشتوں کی نشاندہی کروں۔ جہاں تحقیقی کام ہوتا ہے وہاں غلطیوں کا رہ جانا
تعجب خیز نہیں، یوں 'گل کرسٹ اور اُس کا عہد' ایک ایسی کتاب ہے جو
دوسروں کی تحقیقات کے لیے ایک عمدہ اور معتبر ماخذ کا دے گی اور پھر پاکستان میں تو
وہ وسائل بہت ہی کم ہیں جن سے اس قسم کی کتابیں تیار کی جاسکیں۔ ہماری بدبختی کہ تما
م عظیم الشان کتاب خانے، مخطوطات کے مجموعے اور سرکاری دستاویزات کے
ذخیرے بھارت میں ہی رہ گئے۔

گل کرسٹ کے سلسلے میں سب سے زیادہ بسیط و جامع معلومات کا سرچشمہ 'گل کرسٹ اور اس کا عہد' ہی ہے۔ اس سے پہلے مولوی سید محمد صاحب کی کتاب 'ارباب نثرِ اُردو' میں ہی گل کرسٹ کے متعلق کچھ ملتا تھا، دوسری کتابوں میں گل کرسٹ کے سلسلے میں جو کچھ ملتا تھا، دوسری کتابوں میں کتابوں میں گل کرسٹ کے سلسلے میں جو کچھ تھا، وہ نہ ہونے کے برابر تھا مثلاً سیر المصنفین از محمد یحییٰ تنہا، تاریخ ادب اُردو از رام بابو سکسینہ، داستان تاریخ اُردو از حامد حسن قادری وغیرہ میں جو کچھ تھا، وہ بہت مختصر تھا۔

گل کرسٹ بمبئی ڈیٹیچ منٹ (Bombay Detachment) میں اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوا تھا اور یہ غالباً ۱۷۸۲ء کے آخر کا زمانہ ہے۔ محمد عتیق صدیقی صاحب کو جو کاغذات ملے ہیں، اُن سے ظاہر ہے کہ کرنل چارلس مارگن نے گل کرسٹ کو بھرتی کیا تھا۔ کرنل چارلس مارگن بنگال آرمی میں تھے اور بمبئی میں متعینہ پلٹن کے کمانڈر تھے، اس پلٹن کو (Bombay Detachment) کہتے تھے۔ گل کرسٹ نے اپنی لغت و قواعد کے ضمیمے میں ۱۷۹۸ء میں اپنے حالات لکھتے ہوئے ہندوستانی زبان سے اپنے تعلق کی نسبت بھی لکھا ہے:

"چناں چہ اس زبان کو جسے اُس زمانے میں مورس (Moors) کہتے تھے، سیکھنے کے

لیے میں جم کر بیٹھ گیا۔ میری اس نئی تعلیم کے سلسلے میں لوگوں نے ہیڈ لے کی اس تالیف کی طرف رجوع کرنے کا مجھے مشورہ دیا جو اس زبان کی مبادیات پر اس نے لکھی تھی۔ ایک دو ہفتوں کے بعد مجھے ایک منشی مل گیا جس نے اصرار کیا کہ ہیڈ لے سے میں نے جو کچھ سیکھا تھا، اُسے سرے سے بھلا دوں، کچھ دنوں تک اپنے طور پر کوشش کرنے کے بعد مجھے توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی۔ اس بحرانی دور میں خوش قسمتی سے اپنے دوست کپتان جان ریٹ رے (John Rattray) سے جو اب کرنل ہو چکے ہیں، سودا کا کلیات مجھے مل گیا۔ ہندوستانی زبان میں اس وقت تک جو مہارت میں نے حاصل کی ہے، اُس کے لیے سودا کے کلیات کا اور اس کریم النفس انسان (جان ریٹ رے) کے مشوروں کا، نیز ہمت افزائی و امداد کا میں بے حد رہین منت ہوں۔"

جان گل کرسٹ کو بمبئی ڈیپچ منٹ میں اسسٹنٹ سرجن مقرر ہو کر سورت ٹھہرنا پڑا، سورت میں تقریباً ایک سال گزارا۔ سورت سے گل کرسٹ کی پلٹن کا تبادلہ فتح گڑھ کا ہو گیا۔ محمد عتیق صدیقی صاحب نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے کاغذات دیکھ کر لکھا ہے یہ پلٹن سورت سے یکم نومبر ۱۷۸۳ء کو چلی تھی اور دسمبر ۱۷۸۳ء کی آخری تاریخوں تک یا جنوری ۱۷۸۴ء کے آغاز میں فتح گڑھ پہنچ گئی ہوگی۔ فتح گڑھ صوبہ جات متحدہ آگرہ و اودھ کے ضلع فرخ آباد میں واقع ہے۔ سورت سے فتح گڑھ تک کے سفر میں گل کرسٹ کو ہندوستانی زبان کی ہمہ گیری کا ثبوت ملا اور انھوں نے اس زبان پر کتاب لکھنے کی تجویز پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا۔ گل کرسٹ خود لکھتا ہے:

"جس گاؤں اور جس شہر میں میرا گزر ہوا، وہاں اس زبان کی مقبولیت تھی جو میں سیکھ رہا تھا، مجھے ان گنت شہادتیں ملیں جنھوں نے مجوزہ کتاب کی تکمیل کے شوق کو تیز تر کر دیا۔"

گل کرسٹ نے قیامِ فتح گڑھ کے زمانے میں ہندوستانی زبان پر کافی دسترس حاصل کر لی تھی اور وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ اس زبان کے قواعد و لغت ترتیب دے سکیں۔ "گل کرسٹ اور اس کا عہد" میں گل کرسٹ کی ایک عرضی کا مضمون نقل کیا گیا ہے، یہ عرضی گل کرسٹ نے فتح گڑھ کی فوجی چوکی سے وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل باجلاس کونسل کے نام ۲ جنوری ۱۷۸۵ء کو لکھی تھی، اس کا اقتباس یہ ہے۔"

''ہندوستان کے دوران قیام میں اپنا بیش تر وقت میں نے ہندوستانی زبان کی تحصیل میں صرف کیا ہے اور اس زبان میں اب میں نے اتنی دست گاہ حاصل کر لی ہے کہ اس کے قواعد و لغت مرتب کرنے کا کام میں نے اس پیمانے پر شروع کیا کہ اب تک کسی اور نے اتنے وسیع پیمانے پر یہ کام نہیں کیا ہے۔۔۔۔۔۔ بارہ مہینوں کے لیے اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی سے مجھے معاف کیا جائے تا کہ اس حد درجہ مفید کتاب کی ترتیب و تالیف کے کام میں تجربے، مواقع اور سکون و اطمینان سے جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، ان کا میرے لیے فقدان نہ ہو۔ میری یہ درخواست آپ نے اگر قبول فرمائی تو میں یہ استدعا بھی کروں گا کہ جو تنخواہ اور بھتہ اس وقت مجھے مل رہا ہے، وہ رخصت کے دوران میں بھی بہ دستور جاری رہے تا کہ اس کتاب میں کوئی ایسی کسر نہ رہ جائے جو محنت اور خرچ سے پوری کی جا سکتی ہو۔۔۔۔''

۱۔ محمد عتیق صدیقی صاحب نے "گل کرسٹ اور اس کا عہد" کے صفحہ ۶۸ پر گل کرسٹ کے قیامِ فتح گڑھ کو ۲ سال کا عرصہ قرار دیا ہے حالاں کہ خود ان کی تحریروں کی روشنی میں ہی یہ غلط ہے۔ اسی صفحہ پر وہ کہتے ہیں کہ گل کرسٹ فتح گڑھ دسمبر ۱۷۸۳ء یا جنوری ۱۷۸۴ء میں پہنچ گئے تھے۔ پھر صفحہ ۶۹ پر وہ گل کرسٹ کی درخواست مورخہ ۲ جنوری ۱۷۸۵ء کا اقتباس دیتے ہیں جس میں گل کرسٹ نے گورنر جنرل سے ایک سال کی رخصت طلب کی ہے۔ صفحہ ۷۰ پر عتیق صاحب صاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ "اپریل ۱۷۸۵ء میں گل کرسٹ نے فتح گڑھ کو خیرباد کہا اور وہ فیض آباد پہنچا"۔ عتیق صدیقی صاحب کی محولہ بالا تحریروں سے صاف ظاہر ہے کہ گل کرسٹ فتح گڑھ میں جنوری ۱۷۸۴ء سے اپریل ۱۷۸۵ء تک رہے۔ یہ عرصہ ایک سال ۳ ماہ کا ہے، اسے دو سال قرار دینا کہاں تک درست ہے؟

گل کرسٹ کی اس عرضی کے ساتھ ہی میجر جنرل اسٹی برٹ (Maj. General Stibert) کمانڈر انچیف ایسٹ انڈیا کمپنی کا سفارشی خط بھی لگا ہوا ہے جس کا اقتباس یہ ہے:

''اسسٹنٹ سرجن گل کرسٹ کی استدعا پر ان کی ملفوفہ درخواست آپ کی خدمات میں پیش کر رہا ہوں۔ اپنے عہدے کے فرائض سے بارہ مہینوں کے لیے وہ رخصت کے خواست گار ہیں تا کہ ہندوی (ہندوستانی) زبان کے قواعد ولغت کی تدوین کا ان کو موقع مل سکے جس کے لیے انہوں نے مواد جمع کر لیا ہے۔۔۔۔ یہ صاحب بمبئی ڈیٹچ منٹ میں اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوئے تھے اور محنتی نوجوان معلوم ہوتے ہیں۔۔۔۔ دیسی زبانوں کو ترقی دینے کی کوششیں حکومت کی ہمت افزائی کی مستحق ہیں اس لیے اُن کی درخواست پر ہمدردانہ غور کرنے میں آپ سے سفارش کرتا ہوں۔''

گورنر جنرل باجلاس کونسل نے گل کرسٹ کی یہ درخواست منظور کر لی تھی اور انھیں ایک سال کی چھٹی مل گئی تھی۔ گل کرسٹ یہ چھٹی حاصل کر کے شمالی ہند میں ہندوستانی زبان کے مشہور مراکز کی سیاحت کو نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر گل کرسٹ نے اس سفر کا تذکرہ قواعد ولغت کے 'ضمیے' میں کیا ہے لیکن وہاں گل کرسٹ نے صرف فیض آباد کا نام لیا ہے، لکھنؤ، الہ آباد، جونپور اور بنارس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اپریل ۱۷۸۵ء میں گل کرسٹ فتح گڑھ سے چل دیے، پہلے فیض آباد پہنچے: فیض آباد میں ڈاکٹر گل کرسٹ نے ہندوستانیوں کی معاشرت اختیار کر لی تھیں، ہندوستانی لباس کے ساتھ ساتھ اس نے لمبی سیاہ داڑھی بھی بڑھالی تھی۔ گل کرسٹ نے خود لکھا کہ وہ فیض آباد میں جم کر بیٹھ جانا چاہتے تھے لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا۔ فیض آباد میں ہی گل کرسٹ کو اپنے کام کی وسعت اور راہ میں مشکلات کا اندازہ ہوا، یہیں انھوں نے ہندوستانی زبان کے قواعد ولغت کے متعلق کتابوں کو معلوم کیا تو لوگ حیرت سے اُن کا منہ تکنے لگے اور جواب دیا کہ بھلا آج تک کہیں بھی کسی قواعد ولغت کی مدد سے اپنی زبان سیکھی ہے۔ ڈاکٹر گل کرسٹ کے اصرار پر لوگوں نے یاد کر کے خالق باری کو ان

کے سامنے لغت کے بھاری بھرکم نام سے پیش کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس وقت تک اہل زبان میں سے کسی نے اس زبان کے قواعد مرتب نہیں کیے تھے۔ ہندوستانی زبان کے قواعد پر انشاءاللہ خاں انشا پہلے ہندوستانی ہیں، جنھوں نے ہندوستانی زبان کے قواعد پر سب سے پہلی کتاب 'دریاے لطافت' تحریر کی لیکن وہ کتاب بہت بعد میں ۱۲۲۲ھ مطابق ۱۸۰۷ء میں معرض وجود میں آئی۔

فیض آباد میں ہی ڈاکٹر گل کرسٹ کو پتا چلا کہ ہندوستانی قواعد و لغت پر کمانڈر انچیف کے پرائیوٹ سیکرٹری اور فارسی ترجمان مسٹر کرک پیٹرک (Kirkpatrick) کام کر رہے ہیں اور ان کے کام کا ایک حصہ طبع بھی ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر گل کرسٹ فیض آباد سے روانہ ہو کر بنارس ہوتے ہوئے کلکتے پہنچے۔ ۱۷۸۵ء کے آخر میں ڈاکٹر گل کرسٹ کلکتے پہنچ گئے تھے، وہاں کرک پیٹرک سے ملنے پر معلوم ہوا کہ ان کی کتاب نامکمل ہے۔ کرک پیٹرک سے ملاقات کے بعد یہ بھی طے ہو گیا کہ ڈاکٹر گل کرسٹ کے کام کو کرک پیٹرک ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ یہ صحیح طور پر معلوم نہیں کہ گل کرسٹ کلکتے کب تک ٹھہرے۔[1]

صفحہ ۷۷ پر عتیق صدیقی صاحب نے گل کرسٹ کا ایک خط مورخہ ۳ جون ۱۷۸۷ء بنام گورنر جنرل با اجلاس کونسل نقل کیا ہے۔ اس خط سے متعدد ضروری باتوں پر روشنی پڑتی ہے اس لیے جستہ جستہ اقتباسات پیش کرتا ہوں:

''گزشتہ تین برسوں کی پیہم محنت کے بعد اپنی کتاب کی پہلی جلد کا مسودہ میں نے مکمل کر لیا ہے اور جوں ہی حالات نے موقع دیا، آپ سے اجازت لے کر دوسری او تیسری جلد کو بھی ہاتھ لگا دوں گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جناب والا سے میں مودبانہ درخواست کروں

۱۔ عتیق صدیقی صاحب نے ''گل کرسٹ اور اُس کا عہد'' کے صفحہ ۷۵ پر دوسری سطر میں لکھا ہے ''۱۷۸۵ء کے اواخر میں گل کرسٹ بنارس سے کلکتے گیا''۔ پھر اس صفحے کی نویں سطر میں لکھتے ہیں: ''گل کرسٹ ۱۷۵۷ء کے وسط تک کلکتے میں مقیم رہا''۔ اس کے بعد صفحہ ۷۷ کی دوسری سطر میں مرقوم ہے: ''جون ۱۸۸۷ء تک گل کرسٹ کلکتے ہی میں مقیم رہا''۔ اب بتایئے کہ کون سی تحریر کو صحیح سمجھا جائے۔

گا کہ بنارس کی زمین داری میں یا ہو سکے تو اودھ کے صوبے میں اقامت اختیار کرنے کی مجھے اجازت دی جائے تاکہ کتاب کی ترتیب وتالیف کے سلسلے میں مطالعے کی نیز دوسری سہولتیں مجھے میسر آسکیں۔۔۔۔۔۔اس ملک میں ایسی ضخیم کتاب کی طباعت پر بے حساب لاگت لگتی ہے۔ اس کے دیکھتے ہوئے اس کتاب کی آمدنی سے کسی مالی منفعت کی آس نہیں لگائی جا سکتی۔ اس کے پیشِ نظر جناب والا سے میں یہ درخواست بھی کروں گا کہ نیل کی کاشت کرنے کی بھی مجھے اجازت دی جائے، ویسٹ انڈیز میں کئی سال قیام کی وجہ سے نیل کی کاشت اور اس کی تیاری کا مجھے تجربہ بھی ہے۔ یقین ہے کہ اس سے میں اتنا تو پیدا ہی کر لوں گا جو میری محنت کا معقول معاوضہ ہو سکے۔۔۔۔۔۔''

۴ جون ۱۷۸۷ء کو ہی گورنر جنرل با جلاس کونسل نے اس پر حکم صادر کر دیا:

''مسٹر گل کرسٹ کو بنارس میں قیام کرنے کی اجازت دی جاتی ہے تاکہ وہاں رہ کر وہ اپنی کتاب مکمل کر سکیں جس کی تیاری میں عرصے سے مصروف ہیں اور اسی زمینداری میں خود اپنی ذمہ داری پر ان کو نیل کی کاشت کرنے کی بھی اجازت دی جاتی ہے لیکن جہاں تک اودھ میں قیام کرنے اور نیل کی کاشت کرنے کا تعلق ہے بورڈ اس کی اجازت دینے کا مجاز نہیں ہے کیوں کہ وہ ملک کمپنی کے حدودِ اختیار سے باہر ہے۔''

ڈاکٹر گل کرسٹ کے مرقومہ بالا خط سے یہ انکشاف بھی ہوا کہ وہ ہندوستان آنے سے قبل ویسٹ انڈیز میں بھی کچھ عرصہ رہ چکے تھے۔ رخصت[1] اور اجازت ملنے کے بعد گل

[1] عتیق صدیقی صاحب 'گل کرسٹ اور اس کا عہد' کے صفحہ ۸۷ پر لکھتے ہیں: ''گل کرسٹ کے ضمیمے سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی زبان کے قواعد ولغت کی تیاری کے سلسلے میں اس کی درخواست پر مارکوئس آف ولزلی نے اس زمانے میں طویل رخصت منظور کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷)

کرسٹ نے اپنے قیام کے لیے غازی پور کو پسند کیا۔ غازی پور اگرچہ مہاراجا بنارس کی زمینداری میں شامل تھا لیکن بنارس کی زمینداری، ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملکیت تھی؛ آصف الدولہ نے بنارس کا علاقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو بخش دیا تھا۔ گل کرسٹ غازی پور میں تقریباً سات سال مقیم رہے۔ غازی پور کے دوران قیام میں ہی ان کی اولیں اور معرکہ آرا کتاب انگریزی، ہندوستانی لغت (A Dictionary, English and Hindoostanee) شائع ہوئی۔ غازی پور گل کرسٹ نے نیل کی کاشت شروع کردی تھی اور افیون کا ٹھیکہ بھی لے لیا تھا، اس کے علاوہ گل کرسٹ غازی پور میں رہ کر شکر کی تجارت بھی کرتے تھے۔ نیل کی کاشت میں مسٹر گل کرسٹ کے ساتھ مسٹر چارٹرس (Mr.Charters) بھی شریک تھے: نیل کی کاشت سے مسٹر گل کرسٹ کو شروع میں کافی فائدہ پہنچا لیکن بالآخر انھیں سخت خسارے سے دو چار ہونا پڑا، اس کاروبار کے متعلق خود گل کرسٹ نے 'ضمیمہ' میں بیان کیا ہے۔ کاروبار کی ناسازگاری کی وجہ سے مسٹر گل

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ سے)

تنخواہ اور بھتہ بھی بدستور جاری رکھا۔ اس وقت میرے سامنے گل کرسٹ کا 'ضمیمہ' نہیں ہے جس سے اس بیان کی تصدیق ہوسکے لیکن بدیہی طور پر یہ غلط معلوم ہوتا ہے کیوں کہ:

۱- اس پر بھی سب کا اتفاق ہے اور خود شفیق صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ گل کرسٹ کی 'ہندوستانی زبان کے قواعد' ۱۷۹۶ء میں شائع ہوئی۔

۲- اس پر بھی سب کا اتفاق ہے اور خود شفیق صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ گل کرسٹ کی لغت ۱۷۸۶ء سے ۱۷۹۰ء تک شائع ہوئی۔

۳- اس پر بھی سب کا اتفاق ہے اور خود شفیق صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ 'ضمیمہ' ۱۷۹۸ء میں شائع ہوا۔

یعنی اس پر سب کا اتفاق ہے کہ گل کرسٹ کی قواعد و لغت ۱۷۹۶ء تک شائع ہو چکی تھیں۔ اگر ان کی تیاری کے سلسلے میں گل کرسٹ نے رخصت طلب کی ہوگی تو یقیناً انھوں نے درخواست ۱۷۹۶ء سے قبل دی ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس وقت مارکوئس آف ولزلی کا ہندوستان سے کیا تعلق، مارکوئس آف ولزلی تو ۱۷۹۸ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل بنائے گئے ہیں، جب کہ گل کرسٹ کی یہ کتابیں شائع بھی ہو چکی تھیں۔

گرسٹ کو غازی پور چھوڑ کر کلکتے اور ان کے شریک مسٹر چارزس کو یورپ جانا پڑا۔ محمد عتیق صدیقی صاحب نے 'گل کرسٹ چارزس کو یورپ جانا پڑا۔ محمد عتیق صدیقی صاحب نے گل کرسٹ اور اُس کا عہد' کے صفحہ ۸۸ پر قیاساً نتیجہ نکالا ہے کہ مسٹر گل کرسٹ نے ۱۷۹۵ء کے آغاز میں غازی پور کو چھوڑا ہوگا۔

ڈاکٹر جان گل کرسٹ ۸ مئی ۱۷۹۶ء[1] میں دوسری کتاب 'ہندوستانی زبان کے قواعد' (A Grammer of the Hindoostanee Language) منظر عام پر لے آئے، یہ کتاب ہندوستانی لسانیات کی پہلی جلد کا تیسرا حصہ تھی۔ اس کا پہلا حصہ 'انگریزی ہندوستانی لغت' ۱۷۸۶ء–۱۷۹۰ء میں شائع ہو چکا تھا؛ دوسرا حصہ 'قواعد و لغت کا مقدمہ و ضمیمہ' ۱۷۹۸ء میں شائع ہوا۔ اس طرح سے گل کرسٹ کے سلسلۂ ہندوستانی لسانیات کی پہلی جلد تین حصوں پر مشتمل تھی۔ شروع میں مسٹر گل کرسٹ نے تینوں حصوں کی مجموعی قیمت تیس روپے مشتہر کی تھی لیکن کتاب کے حجم میں غیر معمولی اضافے کی وجہ سے اس کی قیمت میں بھی اضافہ ہوا؛ تیس سے چالیس، چالیس سے پچاس اور بالآخر پچاس سے ساٹھ کردی گئی۔ ۱۷۹۸ء میں ہی گل کرسٹ نے اپنی چوتھی کتاب 'مشرقی زبان داں' (Oriental Linguist) شائع کردی۔ ان چاروں کتابوں کی اشاعت سے مسٹر گل کرسٹ کی اردو دانی کی دھوم مچ گئی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ارباب اختیار ہندوستانی زبان کے معاملے میں مسٹر گل کرسٹ کا لوہا مان گئے۔

۱۷۹۸ء میں مارکویس آف ولزلی گورنر جنرل ہو کر آئے تو انھوں نے وقت کے تقاضے سے مجبور ہو کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین کو ہندوستانی زبان سکھانے کا ایک منصوبہ

۱۔ محمد عتیق صدیقی صاحب 'گل کرسٹ اور اس کا عہد' کے صفحہ ۸۸ پر لکھتے ہیں: اس حساب سے اس نے ۱۷۹۵ء کے اوائل میں غازی پور کو خیر باد کر کلکتے کا رخ کیا ہوگا"۔ اس کے بعد صفحہ ۹۸ پر لکھتے ہیں "کلکتے پہنچنے کے دو سال بعد شائع کی۔" "۱۷۹۵ء کے اوائل" سے "مئی ۱۷۹۶ء" تک دو سال کا عرصہ ہوتا ہے یا ڈیڑھ سال؟

تیار کیا۔ اس منصوبے کو علمی جامہ پہنانے کے لیے ان کی نظر انتخابات مسٹر گل کرسٹ پر پڑی؛ چناں چہ مسٹر گل کرسٹ نے ولزلی کے ایما پر ہی ایک اسکول (Seminary Oriental) کے نام سے کھولا۔ اُس زمانے میں سول سروس میں جو انگریز آتے تھے، انھیں ہندوستانی زبان کے سیکھنے

کے لیے منشی رکھنا پڑتا تھا، اُس منشی کے لیے ہر ملازم کو تیس روپے ماہوار کا الاؤنس ملتا تھا۔ ولزلی نے طے کر دیا کہ نو وارد ملازموں کو جو تیس روپے ماہوار منشی الاؤنس دیا جاتا ہے، اب براہ راست مسٹر گل کرسٹ کو دیا جائے؛ اس کے معاوضے میں مسٹر گل کرسٹ ان ملازموں کو روزانہ ہندوستانی زبان و قواعد اور فارسی زبان کے درس دیا کریں گے۔ گورنر جنرل کی کونسل نے گورنر جنرل کی سفارش کو منظور کر کے مسٹر گل کرسٹ کو اسکول چلانے کی اجازت دے دی۔ مسٹر گل کرسٹ پانچ چھ گھنٹے روزانہ تعلیم پر صرف کرتے تھے۔ اسکول میں تعلیم پانے والے جونیر سول ملازموں کا ۲۱ جولائی سے ۲۵ جولائی ۱۸۰۰ء تک امتحان ہوا کامیاب طلبا کو انعامات تقسیم کیے گیے۔ مسٹر گل کرسٹ کا یہ اسکول تقریباً ڈیڑھ سال تک چلتا رہا، گورنر جنرل نے مسٹر گل کرسٹ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

''ہندوستانی زبان کے لغت و قواعد کی جو کتاب مسٹر گل کرسٹ نے تالیف کی ہے س کے متعلق بھی گورنر جنرل با جلاس کونسل اس موقع پر اپنی خوش نودی کا اظہا مناسب سمجھتے ہیں۔ اس کتاب نے اس زبان کی تحصیل میں بے حد سہولتیں پید کر دی ہیں۔ جو سارے ہندوستان میں بہت زیادہ بولی جاتی ہے۔ کمپنی کے جونیر سول ملازمین کو جنھیں مسٹر گل کرسٹ سے ہندوستانی و فارسی سیکھنے کی ہدایت کی گئی تھی، تعلیم دینے کے فرض منصبی کو جس سرگرمی، لیاقت و تن دہی سے انھوں نے پورا کیا ہے، وہ بھی گورنر جنرل با جلاس کونسل کے نزدیک قابل ستائش ہے۔''

(گل کرسٹ اور اس کا عہد' صفحہ ۱۳۳)

۱۸۰۰ء میں ولزلی نے فورٹ ولیم کالج قائم کیا، اس کالج کے ہندوستانی شعبے

صدر ڈاکٹر جان گل کرسٹ کو مقرر کیا گیا۔ ہندوستانی زبان کی کتابوں کے اشاعتی پروگرام کے سلسلے میں مسٹر گل کرسٹ اور کالج کونسل شروع سے آخر تک متصادم رہے۔ مسٹر گل کرسٹ نے اُس عہد کے لائق اور نامور فضلا کو فورٹ ولیم کالج میں ملازم رکھ کر اُن سے ترجمہ و تالیف کا کام لیا۔ مسٹر گل کرسٹ کی توجہ اور کوششوں کی وجہ سے جدید اُردو نثر نگاری کا آغاز ہوا۔ ممتاز فضلا نے آسان اردو زبان میں کتابیں ترجمہ و تالیف کیں۔ مسٹر گل کرسٹ نے 'ہندوستانی پریس' کے نام سے اپنا ایک مطبع بھی قائم کیا جو فورٹ ولیم کالج کی کتابیں چھاپتا تھا۔

مسٹر گل کرسٹ تقریباً چار سال تک فورٹ ولیم کالج میں ہندوستان شعبے کے صدر کی حیثیت سے کام کرتے رہے: اس چار سالہ دور میں تقریباً ۳۲ ہندوستانی مصنفین، مترجمین اور منشی مختلف اوقات میں اُن کے شعبے سے متعلق رہے۔ ۱۸۰۲ء میں مترجمین میر شیر علی افسوس، کاظم علی جوان اور مظہر علی خاں ولا تھے: چیف منشی میر بہادر علی حسینی اور سیکنڈ منشی تارنی چرن تھے۔ ۲۰ ماتحت منشی تھے اور ۲۰ سندی منشی تھے، ان کے علاوہ سری للولال کوی بھاکا منشی تھے، ایک قصہ خواں تھا اور ایک ناگری نویس تھے۔ اس عملے کی تنخواہ ۲۲۰۰ روپے ماہوار تھی۔ سب سے زیادہ تنخواہ میر شیر علی افسوس اور میر بہادر علی کی تھی جنھیں دو دو سو روپے ماہوار ملتے تھے۔ مسٹر گل کرسٹ نے اپنے عہد میں تقریباً ۶۰ کتابیں ہندوستانی زبان سے متعلق تیار کرائیں۔

مسٹر گل کرسٹ کو پندرہ سو روپے ماہوار ملتے تھے جب کہ عربی شعبے کے پروفیسر کو سولہ سو روپے ماہوار ملتے تھے اور ایک ہزار روپے ماہوار انھیں عربی ترجمے کے ملتے تھے؛ اس طرح سے مسٹر بیلی (Baillie) صدر شعبۂ عربی کو چھبیس سو روپے ماہوار ملتے تھے۔ مسٹر گل کرسٹ نے سیکرٹری کالج کونسل کو لکھا تھا کہ ان کو اس طرح ہندوستانی ترجمے کا کام ملنا چاہیے جس طرح عربی ترجمے کا کام مسٹر بیلی کو دیا گیا ہے۔ لیکن مسٹر گل کرسٹ کی درخواست

کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

۲۳ فروری ۱۸۰۴ء کو مسٹر گل کرسٹ نے سیکرٹری کالج کونسل کو اپنی علالت کی وجہ سے یورپ کی واپسی کے متعلق لکھا۔ عتیق صدیقی صاحب نے کالج کی روداد سے مسٹر گل کرسٹ کے خط جو کا حصہ نقل کیا ہے یہ ہے:

''ناگہانی اور شدید علالت سے مجبور ہو کر پہلے جہاز سے یورپ واپس جانے کے لیے ہز اکسیلنسی گورنر جنرل سے اجازت حاصل کرنے کی مجھے ضرورت پیش آئی ہے جو میں نے حاصل کر لی ہے۔ اب یہ میرا فرض ہے کہ گورنر جنرل با جلاس کونسل کے قائم کردہ کالج میں ہز لارڈ شپ کی عنایت سے ہندوستانی پروفیسر کے جس عہدے پر میں مامور ہوں، اُس سے میں باضابطہ مستعفی ہو جاؤں۔ مستدعی ہوں کہ آپ کالج کونسل کو مطلع فرما دیں کہ کلکتہ جہاز کی روانگی کی تاریخ سے جس کا میں نے ٹکٹ بھی خرید لیا ہے، میرا استعفا قبول کیا جائے۔''

کالج کونسل نے ۲۴ فروری ۱۸۰۴ء کو مسٹر گل کرسٹ کا استعفا منظور کر لیا اور ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا:

''مسٹر گل کرسٹ نے جس جوش و خروش، لیاقت و قابلیت اور ان تھک محنت کے ساتھ ہندوستانی زبان کے پروفیسر کی خدمات انجام دی ہیں، ان کا اعتراف کرنا کالج کونسل اپنا فرض سمجھتی ہے۔ نیز اس کا بھی اعتراف کرتی ہے کہ گل کرسٹ کی تصانیف نے اور ہندوستانی زبان کی ان کتابوں سے جو انھوں نے چھاپی ہیں کالج کے قیام کے مقاصد کو بہ درجہ اتم پورا کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔ طے پایا کہ مسٹر گل کرسٹ کے خط کی ایک نقل مندرجہ بالا تجویز کے ساتھ ہز ایکسلنسی وزیر (گورنر جنرل) کی خدمت میں پیش کی جائے۔''

۱۸۰۴ء میں ڈاکٹر جان گل کرسٹ ایڈنبرا واپس چلے گئے، اس کے بعد ۱۸۱۶ء میں لندن گئے۔ یہاں انھوں نے ایک اسکول قائم کیا جہاں ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم ہونے

اُلے امیدواروں کو تعلیم دیتے تھے۔ ابھی ۲ سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے خود ۱۸۱۸ء میں لیسٹر اسکوائر (Leicester Square) میں ایک ادارہ اورینٹل انسٹی ٹیوٹ (Oriental Institute) قائم کردیا۔ اس ادارے میں اردو کی پروفیسری ڈاکٹر گل کرسٹ نے قبول فرمائی، اس ادارے میں خاص طور پر طبی عہدے دار تعلیم پاتے تھے۔ ۱۸۲۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس نے اس ادارے کو ختم کردیا، ادارے کی برخاستگی کے بعد بھی ایک سال تک ڈاکٹر گل کرسٹ اپنے طور اس کو چلاتے رہے۔ بالآخر انھوں نے اس ادراے کا انصرام مسٹر سنڈ فورڈ ارناو (Sand Ford Amot) اور ڈنکن فاربس (Duncan Forbes) کو سپرد کیا اور اپنے وطن ایڈنبرا واپس چلے گئے۔ اس کے بعد ڈاکٹر گل کرسٹ کی صحت پھر خراب ہوگئی۔ تبدیلی آب وہوا اور علاج کے لیے فرانس کا سفر کیا، اردو زبان وادب کے اس محسن نے پیرس میں ہی ۹ جنوری ۱۸۴۱ء کو ۸۲ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ معلوم نہیں سید محمد صاحب نے 'ارباب نثر اُردو' میں کس حساب سے ان کی عمر انتقال کے وقت ۸۸ سال لکھ دی ہے جب کہ وہ خود بھی مسٹر گل کرسٹ کی پیدائش ۱۷۵۹ء اور وفات ۱۸۴۱ء تسلیم کرتے ہیں۔

ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی تالیفات وتصنیفات کی فہرست یہ ہے جو ارباب نثر اُردو، سیر المصنفین، داستان تاریخ اُردو، تاریخ ادب اُردو، 'گل کرسٹ اور اُس کا عہد' اور لنگوسنک سروے آف انڈیا جلد نہم وغیرہ سے ماخوذ ہے:

(۱) انگریزی، ہندوستانی لغت (دو جلدیں)، (A Dictionary English and Hindoostanee)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۷۸۶ء۔ ۱۷۹۰ء، دوسرا ایڈیشن ایڈنبرا سے ۱۸۱۰ء میں، تیسرا لندن سے ۱۸۲۵ء میں، چوتھا لندن سے ۱۸۵۰ء میں۔

(۲) ہندوستانی زبان کے قواعد (A Grammer of the Hindoostanee Language)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۷۹۶ء میں، دوسرا کلکتے سے ہی ۱۸۰۹ء میں۔

(۳) ضمیمہ (لغت و قواعد کا) The Appendix، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۷۹۸ء میں۔

(۴) مشرق زبان داں The Oriental Linguist، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۷۹۸ء میں، دوسرا کلکتے سے ہی ۱۸۰۲ء میں۔

(۵) ہندوستانی زبان پر مختصر مقدمہ The Anti Jargonist، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۰ء میں۔

(۶) نوایجاد یعنی نقشہ افعال فارسی مع مصدرات آں و مترادف ہندوستانی، (A New Theory and Prospects of Persian Verbs) پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۱ء، دوسرا کلکتے سے ۱۸۰۳ء۔

(۷) ہندی کی آسان مشقیں (Hindee Exercises for the First & Second Examinations in Hindustanee, at the College of Fort William, Calcutta)، پہلا ایڈیشن ۱۸۰۱ء میں کلکتے سے۔

(۸) معلم ہندوستانی (The Stranger's East India Guide to the Hindoostanee, or Grand Popular Language of India)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۲ء میں، دوسرا لندن سے ۱۸۰۸ء میں، تیسرا لندن سے ۱۸۳۰ء میں۔

(۹) بیاضِ ہندی، (The Hindee Manual or Casket of India)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۲ء۔۱۸۰ء میں، (دو جلدیں)۔

(۱۰) عملی خاکے (Practical Outlines or a Sketch of Hindoostanee Orthoapy in the Roman Characters)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۲ء میں۔

(۱۱) ہندی الفاظ کی قرأت (The Hindee Roman Orthoepical Ultimatum)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۴ء میں۔

(۱۲) اتالیق ہندی (The Hindee Moral Preceptor, and Persian Scholar's Shortest Road to the Hindustanee Language, or Vice Versa)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۳ء میں، دوسرا لندن سے ۱۸۲۱ء میں۔

(۱۳) ہندی، عربی آئینہ (Hindee Arabic Mirror)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۴ء میں۔

(۱۴) مکالمات انگریزی و ہندوستانی (Diologue, English and Hindee) متعدد ایڈیشن کلکتے، ایڈنبرا اور لندن سے شائع ہوئے۔

(۱۵) مشرقی قصے (The Oriental Fabulist)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۳ء میں۔ دوسرا ایڈیشن ایڈنبرا سے ۱۰۸۹ء میں۔

(۱۶) ہندی داستان گو (The Hindee Story Teller)، پہلا ایڈیشن کلکتے سے ۱۸۰۲-۱۸۰۳ میں، دوسرا کلکتے سے ۱۸۰۶ء میں۔

(۱۷) The General East India Gudie and Vade-Mecum، پہلا ایڈیشن لندن سے ۱۸۲۵ء میں۔

ان میں سے گل کرسٹ کی دوسری کتاب 'ہندوستانی زبان کے قواعد' کا قدرے تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے

'A GRAMMAR OF THE HINDOOSTANEE LANGUAGE'

'ہندوستانی زبان کے قواعد'

مصنفہ گل کرسٹ

یہ کتاب دراصل ڈاکٹر گل کرسٹ کے سلسلۂ لسانیاتِ ہندوستانی کی جلد اول کا تیسرا حصہ ہے؛ پہلا حصہ انگریزی ہندوستانی لغت تھا جس کی جلد اول ۱۷۸۶ء میں اور جلد دوم ۱۷۹۰ء میں شائع ہوئی تھی؛ دوسرا حصہ لغت وقواعد کا ضمیمہ تھا جو ۱۷۹۸ء میں شائع ہوا؛ تیسرا حصہ یہ ہندوستانی گرامر ہے جو ۱۷۹۶ء میں کرانیکل پریس کلکتہ سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب انگریزی زبان میں ہے؛ میرے پیشِ نظر پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور کا نسخہ ہے جس کے صفحوں کی تعداد ۳۱۴ ہے لیکن اسی ایڈیشن کے صفحوں کی تعداد گل کرسٹ اور اُس کا عہد' (صفحہ ۹۴) میں ۳۳۸ دی ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے مضمون 'اُردو لغات ولغات نویسی' مشمولہ ماہنامہ 'جائزہ' بابت اکتوبر ۱۹۵۹ء میں اس کے صفحوں کی تعداد ۳۳۶ بتائی ہے۔ مجھے اس کتاب کا کوئی دوسرا نسخہ میسر نہیں آسکا، میرے خیال میں پاکستان بھر میں اس کتاب کا یہ واحد نسخہ ہے جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس کے سرورق کی کیفیت یہ ہے :

A
Grammar
of the
Hindustanee Language,
or part third
of
Volume First
of a system of
Hindustanee Philology
----.
by John Gilchrist

اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جواں ہے
دعویٰ نہ کرے یہ کہ مرے منہ میں زباں ہے
میں حضرتِ سودا کو سنا بولتے یارو
اللہ ہی اللہ کہ کیا نظم و بیاں ہے

ہر جا کہ سہو و خطاے واقع شود بذیلِ کرم
بپوشند و قلم اصلاح براں جاری دارند

Calcutta
Printed at the Chronicle Press
MDCCXCVI

....

گل کرسٹ کی یہ کتاب 'ہندوستانی زبان کے قواعد' متعدد مرتبہ شائع ہوئی: پہلی بار ۱۷۹۶ء میں، دوسری مرتبہ بھی کلکتے سے ہی ۱۸۰۹ء میں وغیرہ، چوں کہ فورٹ ولیم کالج کے نصاب میں شامل تھی اس لیے کافی شائع ہوئی ہوگی۔ مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے مضمون 'اُردو لغات اور لغات نویسی' مشمولہ 'جائزہ' کراچی بابت اکتوبر ۱۹۵۹ء میں اس کی دوسری اشاعت ۱۸۰۲ء میں بتائی ہے۔ مجھے اس کی تصدیق کسی اور ذریعے سے نہیں ہوتی اس لیے میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ہے۔ یہی مولوی عبدالحق صاحب مقدمہ 'قواعدِ اُردو' شائع کردہ انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی طبع چہارم ۱۹۴۰ء (صفحہ ۱۳) میں لکھتے ہیں:

"خود گل کرسٹ صاحب نے متعدد کتابیں اُردو زبان اور اس کی لغت و قواعد پر لکھی ہیں۔ ان کی کتاب قواعدِ اُردو ۱۸۰۹ء میں چھپ کر شائع ہوئی۔"

مولانا اس کی اس تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ گل کرسٹ کی قواعدِ اُردو پہلی بار ۱۸۰۹ء میں شائع ہوئی۔ یہ غلط ہے، ۱۸۰۹ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ مولانا نے سن

طباعت دیکھا اور اس کو پہلی چھاپ سمجھے، ہو سکتا ہے کہ انھوں نے یہ معلومات بھی کسی دوسری جگہ سے اخذ کی ہوں۔''

حامد حسن قادری اپنی معرکہ آرا تصنیف 'داستانِ تاریخ اُردو' میں 'گل کرسٹ کی تصانیف' کے ذیل میں نمبر ۹ پر یوں رقم طراز ہیں:

(۹) ''قواعدِ اُردو مطبوعہ ۱۸۰۹ء''، چند سطور کے بعد اسی صفحے پر لکھتے ہیں:

''گل کرسٹ کی قواعد اردو (مطبوعہ ۱۸۰۹ء) کا نمونہ یہ ہے:

'یاد رکھنا چاہیے کہ مصدر دلالت کرتا ہے صادر ہونے پر فعل کے فاعل سے یا قائم ہونے پر فعل کے فاعل میں ۔۔۔۔۔۔ وہ حاصل بالمصدر ہے'

یہ دونوں باتیں محلِ نظر ہیں: گل کرسٹ کی 'قواعدِ اُردو' کی اشاعت اول کی سن ۱۷۹۶ء دینا چاہیے کیوں کہ گل کرسٹ نے ۱۸۰۹ء میں کوئی 'قواعدِ اُردو' نہیں لکھی البتہ اس کی پہلی لکھی ہوئی کتاب اس سن میں دوبارہ شائع ضرور ہوئی لیکن بعد کی اشاعت کا سن کتاب کے ساتھ نہیں دیا جاتا۔ حامد حسن صاحب کو یہ علم ہی نہیں تھا کہ گل کرسٹ کی 'قواعدِ اُردو، ۱۸۰۹ء میں نہیں بل کہ ۱۷۹۶ء میں پہلی بار چھپی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ انھوں نے جو نمونہ دیا ہے، وہ گل کرسٹ کی 'قواعدِ اُردو' کا نہیں ہے: گل کرسٹ کی 'قواعدِ اُردو' تو انگریزی میں تھی، یہ نمونہ تو میر بہادر علی حسینی کی تالیف 'رسالۂ گل کرسٹ' کا ہے جو انھوں نے گل کرسٹ کی ضخیم الحجم قواعد کی تلخیص کے بعد اُردو میں تیار کیا تھا اس لیے اسے گل کرسٹ کی 'قواعدِ اُردو' کا نمونہ قرار دینا زیادتی ہے۔

حامد حسن قادری صاحب ہی نے اس قسم کی غلطیاں نہیں کی ہیں بل کہ اکثر بزرگوں سے ایسا ہوا ہے۔ 'مشرب' کراچی کے مقالات نمبر میں جمیل نقوی صاحب نے 'اُردو نثر کا ارتقا' کے عنوان سے ایک مضمون قلم بند فرمایا ہے: چناں چہ اس کا اقتباس پیش کرتا ہوں:

''ڈاکٹر گل کرسٹ کی اُردو قواعد کی عبارت کا نمونہ دے کر ہم اٹھارھویں صدی کی تصانیفِ نثری کا تذکرہ ختم کرتے ہیں: 'یاد رکھنا چاہیے کہ مصدر دلالت کرتا ہے صادر

ہونے پر فعل کے فاعل سے یا قائم ہونے پر فعل کے فاعل میں۔۔۔۔۔''

ظاہر ہے کہ یہ صاحب بھی غلط فہمی میں مبتلا ہیں، انھوں نے اٹھارہویں صدی کی تصانیفِ نثری کا خاتمہ اس نمونے سے کیا ہے۔ یہ اس کا ثبوت ہے کہ اس سے ان کی مراد ڈاکٹر گل کرسٹ کی 'قواعد اُردو' ہی ہے جو ۱۷۹۶ء میں شائع ہوئی تھی نہ کہ میر بہادر علی حسینی کا 'رسالہ گل کرسٹ' جو بہت بعد مرتب ہوا۔ تعجب ہے وہ ذکر تو کرتے ہیں ڈاکٹر گل کرسٹ کی 'قواعدِ اُردو' کا جو انگریزی میں ۱۷۹۶ء میں چھپی اور نمونہ دیتے ہیں 'رسالہ گل کرسٹ' کا جو اُردو میں ۱۸۲۰ء میں چھپا، پھر اس پر اصرار یہ کہ ہم اسے اٹھارہویں صدی کے اختتام کی تصنیفِ نثری کا نمونہ سمجھیں۔ اس سے زیادہ دل چسپ بات یہ ہے کہ جمیل نقوی صاحب اپنے اس مقالے میں فورٹ ولیم کالج کے تقریباً تمام ممتاز مؤلفین ومترجمین کا ذکر کرتے ہوئے میر بہادر علی حسینی کا ذکر صفحہ ۱۰۳ تک کرتے ہیں لیکن ان کی تالیفات میں 'رسالہ گل کرسٹ' کا نام تک نہیں لیتے، اُس بے چارے کی کتاب کا نمونہ گل کرسٹ کے نام سے دیتے ہیں اور جب اس کا ذکر آتا ہے تو اس کی تالیف کو ہی نظر انداز کر جاتے ہیں۔

گل کرسٹ کی مؤلفہ، ہندوستانی زبان کے قواعد، مطبوعہ ۱۷۹۶ء کی کیفیت ہی ہے کہ اُردو ہندی طباعت کا اولین نمونہ صرف اس کتاب میں ملتا ہے۔ اُردو کے نامور شعرا مثلاً ولی، حاتم، یقین، سودا، درد، آبرو، میر حسن، قائم، سوز اور مسکین کے لاتعداد اشعار اس کتاب میں محفوظ ہیں، سودا اور مسکین سے گل کرسٹ بہت زیادہ متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ سودا کے کلیات کے متعلق ان کا تاثر پیچھے واضح کر آیا ہوں۔ مسکین کے کلام کو وہ مبتدیوں کے لیے بہت سود مند سمجھتے ہیں: چناں چہ انھوں نے مسکین کا ایک مرثیہ جس کے ۸۱ بند ہیں۔ اپنی اس کتاب 'ہندوستانی زبان کے قواعد' میں مختلف مقامات پر پورا نقل کر دیا ہے اور آخر میں ایک جگہ ان تمام صفحات کے نمبر بھی دے دیے ہیں جہاں جہاں اس مرثیے کے بند نقل کیے گیے ہیں اور مطالعہ کرنے والوں سے کہا ہے کہ وہ اس مرثیے کو مکمل صورت میں علاحدہ کاغذ پر نقل کرلیں کیوں کہ اس کا مطالعہ ان کے لیے مفید ہوگا۔ اس مرثیے کا پہلا بند یہ ہے:

یاراں عجب قوی ہے تقدیر حق تعالا
جس روز شہ نے دیا کو نے طرف نکالا
اس دن جو بھر چکا تھا وہ عمر کا پیالا
مسلم کو کوفیوں نے کوفے میں مار ڈالا

یہ پورا مرثیہ عتیق صدیقی صاحب نے اپنی کتاب 'گل کرسٹ اور اس کا عہد' میں ضمیمہ کے طور شامل کر دیا ہے۔

'ہندوستانی زبان کے قواعد' میں اس مرثیے کے علاوہ شیکسپیئر کے دو ڈراموں کے ایک ایک حصے کا ترجمہ اُردو زبان اور اردو رسم خط میں ملتا ہے۔ اُس وقت تک انگریزی زبان کی کسی چیز کا ہندوستانی زبان میں یہ پہلا ترجمہ ہے جس کی اولیت کا سہرا بھی ڈاکٹر گل کرسٹ کے سر ہے۔ اس ترجمے کی کیفیت یہ ہے کہ پہلے اصل انگریزی عبارت درج کی گئی ہے، اس کے نیچے دو کالم بنائے ہیں، ایک کالم میں ہندوستانی ترجمہ رومن رسم خط میں اور دوسرے کالم میں اُردو رسم خط میں دیا ہے۔ اس کتاب کے آخر میں گل کرسٹ نے اُردو زبان کے ۳۱ صاحب دیوان شعرا کی فہرست دی ہے۔ ان شعرا کے نام یہ ہیں: امیر خسرو خسرو، شاہ ولی اللہ ولی، مرزا محمد رفیع الدین سودا، میر محمد تقی میر، خواجہ میر درد درد، اشرف علی خاں کوکا فغاں، شاہ نجم الدین آبرو، جان جاناں مظہر، انعام اللہ خان یقین، میر عبدالحی تاباں، حاتم، سید محمد سوز، رکن الدین عشق، احسن اللہ بیان، محمد حسن حسن، شاہ قدرت اللہ قدرت، محمد شاکر ناجی، محمد عسکری عیش، عبداللہ مسکین، خلیفہ سکندر سکندر، قلندر بخش جرأت، ملک محمد محمد، محمد قائم قائم، فقیہ صاحب دردمند، محمد افضل افضل، امیر خاں انجام، جعفر زٹلی جعفر، خواجہ امین الدین امین، محمد روشن جوشش، جعفر علی خان ذکی اور میر محمدی بیدار۔

ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی یہ کوشش اس لیے بھی لائق صد تحسین ہے کہ ان کے سامنے اس کا کوئی نمونہ نہیں تھا، انھوں نے اُس زمانے میں جب کہ وسائل انتہائی محدود تھے اور اُردو زبان کے قواعد سے متعلق اہل زبان کا لکھا ہوا کوئی چھوٹے سے چھوٹا رسالہ بھی موجود نہیں

تھا، اتنی گراں قدر اور عظیم الشان کتاب تصنیف کر ڈالی۔ یہ کتاب فورٹ ولیم کالج کے نصاب میں شامل تھی، اس کی ضخامت کی وجہ سے طالب علموں کو اس کے یاد کرنے میں مشکلات حائل تھیں اس لیے میر بہادر علی حسینی نے اُردو زبان سے اسے مختصر کر دیا۔ موجودہ رسالہ گل کرسٹ کی ضخیم الحجم کتاب 'ہندوستانی زبان کے قواعد' کی وہی تلخیص ہے جو میر بہادر علی حسینی نے کی تھی۔

maablib.org

رسالۂ گل کرسٹ کے مؤلف میر بہادر علی حسینی

فورٹ ولیم کالج کے اصحاب میں میر بہادر علی حسینی کا نام بہت مشہور ہے لیکن ان کے حالات بہت ہی کم ملتے ہیں۔ مؤلف 'ارباب نثرِ اُردو' کی معلومات کا سرچشمہ صرف مولوی کریم الدین کا تذکرہ ہے؛ چناں چہ اس تذکرے کی اصل عبارت یہاں نقل کرتا ہوں تاکہ تحقیقی کام کرنے والوں کو اصل ماخذ کے الفاظ تک رسائی ہو جائے:

''میر بہادر علی حسینی بہت ذی قدر شاعر ہے۔ اس نے سحر البیان کے طور پر ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس میں بدرِ منیر اور بے نظیر کا قصہ مشہور بیان کیا ہے۔ اس کتاب کا نام 'نثرِ بے نظیر' ہے مگر نظم بھی اس میں ملا ہوا ہے، درمیان ۱۸۰۲ء کے کلکتہ میں چھپی تھی اور ایک رسالہ بنام قواعد اُردو جو کہ بنام 'رسالۂ گل کرسٹ' اُردو زبان کے صرف و نحو چھپا گیا ہے۔ تیسرا ترجمہ ہندوستانی تھوپ دیش کا بنام 'اخلاقِ ہندی' جو اس نے درمیان ۱۸۰۲ء کے ایک فارسی ترجمے سے جو بہ حکم شاہ ناصر الدین حیدر نواب بہار کے بنام 'مفرح القلوب' کے تیار ہوا تھا، اس نے کیا تھا۔ اس کتاب کے ترجمے اُردو میں بھی ہوئے ہیں اور ایک ترجمہ تھوپ دیش کا ہندی میں چھاپا گیا، درمیان ۱۸۰۳ء کے وہ ترجمہ بھت پور کے راجا کے ایک پنڈت نے تیار کیا تھا۔ چوتھا ترجمہ اس نے ایک تاریخ آسام کا بھی درمیان ۱۸۰۵ء کے بہ موجب خواہش کولبرک صاحب کے تیار کیا تھا۔ اس دلچسپ تاریخ کی اصل اورنگزیب عالمگیر کے وقت میں ولی احمد شہاب الدین طالش نے لکھی تھی، یہ ترجمہ اور تصنیفات اس کی سے عظیم القدر ہے اور ان کتابوں مفصلۂ الذیل میں اس نے مدد دی تھی: ترجمہ قصہ لقمان وغیرہ مصنف

کی میں جو ڈاکٹر گل کرسٹ صاحب نے چھپوائی تھی اور ایک ترجمہ قرآن شریف کا اُردو میں جس میں سواء مددگاروں کے کاظم علی جوان کی بھی مدد تھی جس میں باپ سید عبداللہ کا جس نے مولوی عبدالقادر کے اُردو ترجمہ قرآن چھپوانے میں اہتمام کیا تھا۔"

(اقتباس از 'طبقاتِ الشعرائے ہند' مؤلفہ مولوی کریم الدین و فیلن مطبوعہ مطبع العلوم مدرسہ دہلی ۱۸۴۸ء صفحہ ۲۵۸ و ۲۵۹ مملوکہ جناب سید امتیاز علی تاج ستارۂ امتیاز)۔

تعجب ہے کہ اس تذکرے میں میر بہادر علی حسینی کو "بہت ذی قدر شاعر" لکھا ہے لیکن انتخاب اشعار میں ایک شعر بھی نہیں فرمایا ہے۔ میں نے اُس زمانے سے لے کر آج تک جتنے تذکرے لکھے گئے ہیں اُن میں سے تقریباً تمام معروف تذکرے میں نے دیکھے ہیں، مجھے تو کہیں بھی میر بہادر علی حسینی کا نام بہ حیثیت شاعر نظر نہیں آیا۔ یہاں تک کہ حسینی کے معاصر اور ہم کار مرزا علی لطف نے بھی 'گلشنِ ہند' میں ان کا ذکر نہیں کیا۔ بہ ہر حال مولوی کریم الدین کے تذکرے میں ہی ان کا ذکر ملا ہے جو درج کر دیا گیا ہے۔

میر امن نے باغ و بہار کے دیباچے میں لکھا ہے "جب منشی میر بہادر علی جی کے وسیلے سے حضور تک جان گل کرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہ کے رسائی ہوئی۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر امن کے میر بہادر علی حسینی سے بہت اچھے تعلقات تھے جو فورٹ ولیم کالج میں آنے سے پہلے قائم ہو چکے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر امن کی طرح میر بہادر علی حسینی بھی دہلی کے باشندے ہوں گے۔ میر بہادر علی حسینی اگرچہ میر امن سے پہلے فورٹ ولیم کالج میں پہنچ چکے تھے لیکن ان کی تالیفات کا آغاز ۱۸۰۲ء میں ہوتا ہے اور ۱۸۰۵ء میں اختتام ہو جاتا ہے۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ حسینی ۱۸۰۵ء کے بعد بھی کالج سے وابستہ رہے یا چھوڑ کر کہیں چلے گئے۔ 'گل کرسٹ اور اس کا عہد' کے صفحہ ۱۹۸ پر میر بہادر علی حسینی کی تاریخ تقرر بہ حیثیت چیف منشی ۴ مئی ۱۸۰۱ء دی ہے اور تنخواہ ۸۰ روپیہ ماہوار لکھی ہے۔

میر بہادر علی حسینی نے تقریباً چار سالہ عہد میں چار کتابیں یادگار چھوڑیں:

(۱) 'نثرِ بے نظیر' ۔ یہ کتاب میر حسن کی مشہور مثنوی 'سحر البیان' کا نثری خلاصہ ہے جو ۱۸۰۲ء مطابق ۱۲۱۷ھ میں تیار ہوا۔ اس کی اشاعت اول کالج کی جانب سے ۱۸۰۳ء میں ہوئی، دوسرے ایڈیشن کے وقت میر شیر علی افسوس نے اس پر نظرِ ثانی کی۔ یہ کتاب کافی مقبول ہوئی اور ہندوستانی مطابع سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ مسٹر ایم۔ ایچ۔ کورٹ نے کیا جو ۱۸۷۱ء میں شملے سے شائع ہوا۔

(۲) 'اخلاقِ ہندی' ۔ میر بہادر علی حسینی کا یہ شاہکار ہے، ہتوپ دیش کے فارسی ترجمے 'مفرح القلوب' کا اُردو ترجمہ ہے، اس کی تالیف کا زمانہ بھی ۱۸۰۲ء مطابق ۱۲۱۷ھ ہے۔ اس کا ایک طویل اقتباس پہلے ۱۸۰۳ء میں 'بیاضِ ہندی' میں چھپا، پھر اس کے بعد اسی سال ۱۸۰۳ء میں ہی یہ کتاب مکمل صورت میں کالج کی جانب سے شائع ہوئی۔ اس کے بعد اس کے لاتعداد ایڈیشن نکلے، گریرسن نے لنگوسٹک سروے آف انڈیا کی جلد نہم میں اس کے بے شمار ایڈیشنوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ۱۸۶۸ء میں سید عبداللہ نے نہایت اہتمام اور نفاست سے ایک نفیس ایڈیشن لندن سے شائع کیا جس کے آخر میں ایڈورڈ پامر کا قصیدہ بھی موجود ہے، اخلاقِ ہندی کا یہ سب سے عمدہ ایڈیشن ہے۔

(۳) 'تاریخ آسام' ۔ شہاب الدین طالش ابن ولی محمد نے فارسی زبان میں ایک کتاب لکھی تھی جس میں شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے جرنیل میر جملہ کی مہم آسام کی تفصیلات قلم بند کی تھیں۔ یہ مہم ۱۶۶۲ء میں پیش آئی تھی۔ شہاب الدین طالش خود اس مہم میں شریک تھا اس لیے اس نے جو کچھ لکھا ہے اس کی حیثیت ایک عینی شاہد کی ہے۔ میر بہادر علی حسینی نے اس کتاب کا اُردو ترجمہ فورٹ ولیم کالج کے لیے کیا، یہ ترجمہ ۱۸۰۵ء میں تمام ہوا۔ میر بہادر علی حسینی کی یہ کتاب آج تک غیر مطبوعہ ہے۔ گارساں دی تاسی نے

لکھا ہے کہ ایک شخص ٹی۔ پی۔ وے نے اس کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا تھا جو ۱۸۴۵ء میں شائع ہوا تھا۔

میر بہادر علی حسینی کی چوتھی کتاب 'رسالہ گلِ کرسٹ' ہے جس کی تفصیلات علیحدہ قلم بند کی جاتی ہیں۔

------

maablib.org

قواعدِ زبانِ اردو
مشہور بہ رسالۂ گل کرسٹ

یہ کتاب دراصل ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی ضخیم انگریزی کتاب 'ہندوستانی زبان کے قواعد' مطبوعہ ۱۷۹۶ء کی اردو زبان میں تلخیص ہے، یہ صحیح طور پر نہیں معلوم ہو سکا کہ میر بہادر علی حسینی نے کس سن میں یہ کام انجام دیا تھا۔ اس کی پہلی اشاعت کے متعلق بھی مختلف بیانات ملتے ہیں: مولوی سید محمد 'ارباب نثرِ اردو' میں اس کا سن اشاعت ۱۸۱۶ء تحریر کرتے ہیں، مرزا محمد عسکری مترجم 'تاریخ ادبِ اردو' از رام بابو سکسینہ بھی مولوی سید محمد صاحب کے ہم نوا ہیں، حامد حسن قادری نے بھی داستانِ تاریخ اردو میں اس کا کلکتے سے ۱۸۱۶ء میں شائع ہونا تحریر کیا ہے۔ صاحب سیر المصنفین نے بھی یہی لکھا ہے کہ یہ رسالہ ۱۸۱۶ء میں کلکتے سے شائع ہوا تھا لیکن گریرسن نے لنگوسٹک سروے آف انڈیا کی جلد نہم حصہ ا کے صفحہ ۱۹ پر اس کی اشاعت کا سن ۱۸۲۰ء دیا ہے۔ اتفاق سے ۱۸۲۰ء والا نسخہ میرے پیش نظر ہے، اس کے سرورق کی کیفیت یہ ہے:

قواعدِ زبانِ اردو

مشہور بہ

رسالۂ گل کرسٹ

متضمن قوانین صرف و نحو ہندی

(Gilchrist's)
Oordoo
Or
Rules of Hindee Grammer
C.S.B.S
Calcutta
Printed for the Calcutta School Book Society
At the Hindustanee Press
by P.Percira

....
1820

اس رسالے کی تقطیع پونے آٹھ انچ اور سوا پانچ انچ ہے، سطور فی صفحہ ۱۰ ہیں، کل صفحات ۱۸۱ ہیں، کل صفحات ۱۸۱ ہیں، پورا رسالہ نستعلیق ٹائپ میں چھپا ہے، آغاز یہ ہے:

"یہ رسالہ زبان ریختہ ہندی کی صرف ونحو میں مشتمل ہے دو مقالے پر------"

میری دسترس میں اس کے علاوہ ایک اور نسخہ بھی ہے جو ۱۸۶۳ء میں اسی ناشر نے شائع کیا تھا، اس کے سرورق کی کیفیت یہ ہے:

قواعدِ زبانِ اُردو
مشہور بہ
رسالہ گِل کرسٹ
متضمن قوانین صرف ونحو ہندی

(Gilchrits)
Urdu Risalah
Or

Rules of Hindustani Grammer

C.S.B.S

Calcutta

Printed at the Calcutta School Book Society Press And sold at their Depository, 12 Lall Bazar 1864

اس نسخے کا سائز سوا سات انچ اور سوا چار انچ اور ہے، ہر صفحے پر سترہ سطریں ہیں، کل ۷۷ صفحات ہیں، نسخہ ٹائپ میں مطبوعہ ہے۔

اگرچہ یہ رسالہ متعدد بار شائع ہوا ہے لیکن آج کل اس کے نسخے بہت کم یاب ہیں۔ میرے خیال میں اس کا پہلا ایڈیشن وہی ہے جو میرے سامنے ہے یعنی ۱۸۲۰ء والا، اس کے بعد کلکتے سے ہی اس کے دوسرے ایڈیشن ۱۸۳۱ء، ۱۸۳۶ء اور ۱۸۶۴ء میں شائع ہوئے، ایک ایڈیشن آگرے سے بھی ۱۸۴۵ء میں نکلا۔ مولف اربابِ نثرِ اُردو کے سامنے ایک قلمی نسخہ محررہ ۱۲۵۳ھ تھا اور ایک ۱۸۷۲ء کا مطبوعہ نسخہ تھا۔ انھوں نے یہ نہیں لکھا کہ وہ کہاں شائع ہوا تھا، میرا خیال ہے کہ وہ بھی کلکتے کا ہی مطبوعہ ہوگا۔ بہ ہر حال مدت سے یہ نایاب ہے اور بڑے بڑے کتاب خانے اس کے وجود سے عاری ہیں۔

رسالۂ گل کرسٹ کے دو مقالے ہیں؛ پہلے مقالے میں مفردات سے بحث کی گئی ہے اور دوسرے مقالے میں مرکبات کا بیان ہے۔ پہلے حصے میں علم صرف کے تمام مسائل زیرِ بحث آگئے ہیں اور دوسرے حصے میں مرکب تام و ناقص کے تمام اقسام کا ذکر ہے۔ مثالوں میں اساتذہ کے اشعار دیے گئے ہیں، تذکیر و تانیث کے حصے کو انتہائی وضاحت اور خوش اسلوبی سے بیان کیا گیا ہے، اس کو فارسی قواعد کی طرز پر ترتیب دیا ہے؛ اُردو زبان و ادب کے محققین کے لیے یہ ایک قیمتی تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

'رسالۂ گل کرسٹ' مطبوعہ ۱۸۲۰ء، (۱۸۱ صفحات) کے مطالب کی کیفیت یہ ہے:

یہ رسالۂ زبان ریختۂ ہندی کی صرف و نحو میں ہے۔ اس کے دو مقالے ہیں:

۱۔مقالہ اول مفردات میں۔

۲۔مقالہ دوم مرکبات میں۔

مقالہ اول میں تین بحث ہیں:

(الف) بحث اول اسم کے بیان میں۔یہ بحث چار ابواب پر مشتمل ہے:

باعتبار اشتقاق ۳ قسمیں ہیں: جامد، مصدر، مشتق۔ مشتق کی چار قسمیں ہیں: اسم فاعل، اسم مفعول، اسم حالیہ، اسم تفضیل۔

باعتبار تعین معنی دو قسمیں ہیں: نکرہ، معرفہ۔

مفرد کی چار نوع ہیں: علم، ضمیر، اسم اشارہ، اسمائے موصول۔

اس طرح سے بحث اول صفحہ ۹۱ پر ختم ہو جاتی ہے۔اس بحث میں تذکیر و تانیث اسما اور وحدت و جمعیت اسما پر سیر حاصل مواد موجود ہے۔

(ب) بحث دوم فعل کے بیان میں، یہ بحث دو ابواب پر مشتمل ہے۔باب اول میں بنائے فعل اور اس کی تصریف یعنی گردان کا بیان ہے۔

باب دوم چار فصلوں پر مشتمل ہے: اقسام فعل، فعل وضعی وغیر وضعی، تذکیر و تانیث و وحدت و جمعیت افعال، افعال صحیح وغیر صحیح۔

بحث دوم صفحہ ۱۴۳ پر ختم ہو جاتی ہے۔اس صفحے سے بحث سوم شروع ہو جاتی ہے۔

(ج) بحث سوم صرف کے بیان میں: یہ بحث صفحہ ۱۴۳ سے ۱۵۴ تک ہے، اس کے ساتھ ہی مقالہ اول (مفردات) بھی ختم ہو جاتا ہے۔

مقالۂ دوم دو بحث پر مشتمل ہے:

(الف) بحث اول مرکب غیر کلامی کے بیان میں، مرکب غیر کلامی کے کل چار نوع ہیں: توصیفی، اضافی، تعدادی، امتزاجی۔ بحث اول صفحہ ۱۶۶ پر ختم ہو جاتی ہے۔

(ب) بحث دوم کلام اور جملے کے بیان میں: اس میں جملۂ اسمیہ وفعلیہ کی بحث ہے۔ یہ بحث صفحہ ۱۷۲ پر ختم ہو جاتی ہے۔ صفحہ ۱۷۳ پر 'خاتمہ' ہے جو چار فصلوں پر مشتمل ہے، حال اور تمیز وغیرہ کے بیان میں ہے۔اس کا خاتمہ صفحہ ۱۸۱ پر ہوتا ہے، اس کے خاتمے

کے ساتھ ہی کتاب بھی ختم ہو جاتی ہے۔

یہ ہے رسالۂ گل کرسٹ کے مطالب کا ایک خاکہ۔ اس سے اس رسالے کی افادیت اور اہمیت واضح ہے۔ یہ رسالہ آج بھی زبان وادب کے طالب علموں کے لیے اتنا ہی مفید ہے جتنا آج سے ڈیڑھ سو سال قبل تھا۔ یہ رسالہ مختصات روزگار سے ہے، مجلسِ ترقی ادب اِسے ازسرِ نو شائع کر کے اُردو زبان وادب پر احسانِ عظیم کر رہی ہے۔

تصحیحِ متن

اس رسالے کی تصحیح کے دوران میرے پیشِ نظر دو نسخے رہے ہیں۔

(۱) رسالۂ گل کرسٹ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۰ء۔

(۲) رسالۂ گل کرسٹ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۴ء۔

یہ دونوں نسخے پنجاب پبلک لائبریری میں محفوظ ہیں، پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں یا کسی اور لائبریری میں مجھے اس کا اور کوئی نسخہ نہیں ملا۔

خلیل الرحمٰن داؤدی

نیگور پارک ، لاہور

۱۳۰ کتوبر ، ۱۹۶۲ء

اولین نسخے مطبوعہ ۱۸۲۰ء کا سرورق

قواعد زبان اُردو

مشہور بہ

رسالۂ گلکرسٹ

متضمن قوانین صرف ونحو ہندی

(GILCHRIST'S)

OORDOO RISALUH.

OR.

RULES OF HIND:EE GRAMMAR

maablib.org

CALCUTTA

PRINTED FOR THE CALCUTTA SCHOOL BOOK SOCIETY,

AT THE HINDOOSTANEE PRESS,

By P. Pereira.

820.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ رسالہ زبانِ ریختۂ ہندی کی صرف و نحو میں، مشتمل ہے دو مقالے پر

مقالۂ اول مفردات میں

کلمہ وہ لفظ ہے کہ موضوع ہے واسطے ایک معنیٔ مفرد کے۔ یہ مقالہ شامل ہے تین بحث پر:

بحثِ اول

اسم وہ کلمہ ہے کہ دلالت کرے ایک معنی پر ساتھ استقلال کے، یعنی دلالت کے واسطے محتاج دوسرے کی طرف نہ ہو اور اُس کے معنی کے ساتھ زمانہ معتبر نہ ہو۔

اس بحث میں چار باب ہیں:

بابِ اول

تقسیم میں اسم کی باعتبار اشتقاق اور عدمِ اشتقاق کے۔ جانا چاہیے[1] کہ اس اعتبار سے اسم کی تین نوع ہیں۔

نوعِ اول:

جامد وہ اسم کہ نہ وہ مشتق ہے نہ مشتق منہ ہے، یعنی نہ نکلا ہے وہ کسو سے، نہ اُس سے

۱۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ "جاننا چاہیے" ہے لیکن نسخہ جات مطبوعہ "کلکتہ اسکول بک سوسائٹی" ۱۸۲۰ء میں "جانا چاہیے" ہی ہے۔

کوئی نکلا ہے۔ جیسا، 'پتھر'، 'ہاتھی'، 'مرد'، 'رنڈی'۔

نوعِ دوم:

مصدر وہ اسم ہے کہ نکلیں اُس سے افعال اور اسمائے مشتقہ۔

علامت مصدر کی ہندی میں حرف 'نا' ہے، یعنی نون والف ساکن۔ اور مصدر کی چار قسم ہیں: لازم، جیسا، 'آنا'، 'جانا'۔ متعدی بہ یک مفعول، جیسا، 'مارنا'، 'کاٹنا'۔ متعدی بہ دو مفعول، جیسا 'کٹوانا'، 'دیوانا'۔ متعدی بہ سہ مفعول، جیسا، 'دلانا'۔ پھر مصدر متعدی مطلق دو قسم ہے: معروف، مثال اُس کی مذکور ہوئی، اور مجہول، چناں چہ: 'مارا جانا'، 'کٹوایا جانا'، 'دلایا جانا'۔ اور تفصیل اُس کی کماحقہ بحث فعل میں آوے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یاد رکھا چاہیے کہ مصدر دلالت کرتا ہے صادر ہونے پر فعل کے فاعل سے قائم ہونے پر فعل کے فاعل میں، اور اس صدور اور قیام کے بعد ایک کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ اُس کیفیت پر جو اسم دلالت کرے وہ حاصل بالمصدر ہے۔ پس اکثر مصادر کی علامت کے حذف کرنے سے جس قدر باقی رہے، وہی حاصل بالمصدر ہے، جیسا: 'مار'، 'پیٹ'، 'لوٹ'، 'کاٹ'۔ اور کبھی صیغۂ جمع امر کا جو بغیر ہمزے کے آتا ہے، حاصل بالمصدر ہوتا ہے، جیسا 'لگاؤ' 'چڑھاؤ'، 'دباؤ'، 'بچاؤ'، اور کبھی ماضی واحد مذکر کے ساتھ حرف نون لانے سے، جیسا 'لگان'، 'تکان'، اور کبھی حرف بائے پارسی کے آنے سے، جیسا 'ملاپ'۔

نوعِ سوم:

مشتق وہ اسم ہے کہ نکلے مصدر سے۔ پس مشتق کی چار[۱] قسم ہیں:

قسم اول:

اسم فاعل وہ کہ دلالت کرے ایسی ذات پر کہ جس سے فعل صادر ہووے، جیسا:

۱۔ نسخۂ مطبوعہ کلکتہ اسکول بک سوسائٹی ۱۸۴۰ء میں 'اسم ہے' کا لفظ نہیں ہے۔

'مارنے والا'۔ یا قائم ہو جس میں، جیسا: 'مرنے والا'۔ اسم فاعل کی علامت اکثر واقع ہوتی ہے لفظ 'والا' یا 'ہارا' یا 'ہار'۔ اسم فاعل مذکر واحد: 'مارنے والا'، جمع: 'مارے والے'۔ مونث واحد: 'مارنے والی'، جمع: 'مارنے والیں'، 'مارنے والیاں'۔

فائدہ:

اکثر اسم فاعل عربی اور فارسی کا ہندی میں مستعمل ہے، جیسا: 'فاضل'، 'عاشق'، 'آئندہ'، 'روندہ'۔

قسم دوم:

اسم مفعول وہ ہے کہ دلالت کرے ذات پر اُس شخص کی کہ جس پر فعل واقع ہووے۔ اسم مفعول کا وزن موافق ہے فعل ماضی کے وزن کے ساتھ، جیسا کہتے ہیں: 'وہ تو میرا مارا ہے'۔ اسم مفعول مذکر واحد: 'مارا'، جمع: 'مارے'۔ مونث واحد: 'ماری'، جمع: 'ماریں'، 'ماریاں'۔ اور کبھی اسم مفعول کے صیغوں میں زائد ہوتا ہے لفظ 'ہوا' اور 'ہوئے' بہ یائے مجہول۔ 'ہوئی'، 'ہوئیں' اور 'ہوئیاں' بہ یائے معروف، جیسا: 'مارا ہوا' وعلیٰ ھذا القیاس۔

قسم سوم:

اسم حالیہ کہ وہ فی الواقع موافق اصطلاح عرب کے حال ہے، یعنی جو بیان کرے ہیئت فاعل کی یا مفعول کی، چناں چہ کہتے ہیں: 'زید مارتا چلا جاتا تھا' یعنی جاتا تھا جس حالت میں کہ اُس سے مار صادر ہوتی تھی۔ اصطلاح میں اُس کی علامت ہے حرف 'تا' و 'تے' بہ یائے مجہول، اور 'تی' اور 'تیں' یا 'تیاں' بہ یائے معروف۔ اسم حالیہ مذکر: 'مارتا'، 'مارتے'، مونث: 'مارتی'، 'مارتیں'۔ اور کبھی اُس پر لفظ 'ہوا' اور 'ہوئے' اور 'ہوئی' اور 'ہوئیں' اور 'ہوئیاں' زاید کرتے ہیں، جیسا: 'مارتا ہوا'۔

قسم چہارم:

اسم تفضیل وہ ہے کہ دلالت کرے اوپر اس بات کے کہ اس کے مدلول کو فضیلت یعنی

زیادتی ہے غیر پر۔ پس اسم تفضیل کے واسطے کوئی صیغۂ خاص موضوع نہیں، بل کہ لفظ 'سے' اور 'میں' اور حرف 'کا' اُس کی علامت ہے، جیسا: 'وہ تجھ سے بھلا ہے'، 'اُن آدمیوں میں یہ قابل ہے' یعنی 'قابل تر'، 'سب کا بڑا وہ ہے'۔

فائدہ:

اکثر اسمائے تفضیل عربی و فارسی کے ہندی میں مستعمل ہوتے ہیں، جیسا 'افضل'، 'احسن'، 'بہتر'، 'نیک تر' 'بدتر'۔ اور اسم آلہ کے واسطے کوئی لفظ مقرر نہیں، لیکن کبھو مصدر معنی ظرفیت کا فائدہ دیتا ہے، جیسا: 'رمنا' اور 'جھرنا' یعنی ہرن کے رہنے کی جا گہہ[1] اور پانی کے جھرنے کی جا گہہ۔ اور اسی طرح مصدر کبھی اسم آلہ کے معنی کو مفید ہوتا ہے، جیسا: 'بیلنا' اور کبھی علامت اسم آلہ کی نون ساکن یا لفظ 'نی' ہوتا ہے، جیسا: 'بیلن'۔، 'بیلنی'، 'کترنی'، 'کریدنی'، 'چھلنی' 'سوکھنی'، 'لکھنی'۔

باب دوم

اُسما باعتبار تعیّن اور عدمِ تعیّن معنی کے دو قسم ہیں: قسم اول: نکرہ وہ اسم ہے کہ دلالت کرے ایک اسمِ غیر معیّن پر، جیسا: 'مرد'۔ پس دنیا کے سب مردوں پر صادق آسکتا ہے۔ اور ایسے ہی 'آدمی'، 'مانس'، 'گھوڑا'، 'اونٹ'۔

قسم دوم:

معرفہ وہ اسم ہے کہ ایک معیّن چیز پر دلالت کرے اور معرفہ کی چار نوع ہیں۔

نوعِ اول:

علم وہ ہے کہ نام ہو ایک شخص معیّن کا، جیسا: 'زید'۔ پس یہ فقط اُس شخص پر دلالت کرتا ہے کہ جس کا نام ہے، اور ایسے ہی 'رام'، 'کشن'، 'سیتا'، 'رادھا'۔

---

[1] نسخۂ مطبوعہ ۱۸۶۰ء میں "جا گہہ" ہے لیکن نسخۂ مطبوعہ ۱۸۶۳ء میں 'جگہ' ہے۔

فائدہ:

جو علم کہ دلالت کرتا ہے ایک ذات معیّن پر ساتھ ایک وصف کے، وہ لقب اور خطاب ہے، جیسا: 'شمس الدولہ' اور 'من موہن'۔ راجپوتوں کے نام کے ساتھ اکثر لفظ 'سنگھ' اور 'رائے' کا واقع ہوتا ہے، چناں چہ 'بلونت سنگھ' اور 'دلپت رائے'۔ اور مہاجنوں کے نام کے ساتھ 'ساہ' اور 'سیٹھ' کا، جیسا: 'گوکل ساہ' اور 'جگت سیٹھ'۔ اور مسلمان فقیروں کے نام کے ساتھ لفظ 'شاہ' اور 'صوفی'۔ اور ہندو فقیروں کے نام میں لفظ 'پانڈے' اور 'تواری' اور 'دوبے' اور 'چوبے'۔ اور اکثر نام بہ حقارت بھی رکھتے ہیں، جیسے: 'گھسیٹا' اور 'چھکوڑیا' اور 'کالی' اور 'چرکٹ'۔

نوعِ دوم:

ضمیر۔ ہندی میں ضمائر کے چھ لفظ ہیں: 'میں' واحد متکلم، 'ہم' جمع متکلم، 'تو' یا 'تیں' مخاطب واحد، 'تم' جمع مخاطب۔ واحد غائب 'وہ' جمع غائب 'وے'۔

فائدہ:

تذکیر و تانیث ہندی ضمائر میں برابر ہے، مثلاً: 'بولا وہ مرد'، 'بولی وہ عورت' اور تثنیہ کے واسطے کوئی صیغۂ خاص موضوع نہیں، نہ اسما، نہ افعال، نہ حروف میں، بل کہ تثنیہ اور جمع مشترک ہیں۔ اور اسمائے ضمائر منقسم ہیں تین قسم پر:

قسم اول:

ضمیر فاعل، جیسا: 'گیا میں'، 'گئے ہم' وغیرہ۔

قسم دوم:

ضمیر مفعول۔ اس کے بنانے کا طریق یہ ہے کہ لفظ 'کو' یعنی کاف اور واو مجہول یا 'کنتیں' اور حرف 'ے' انھیں ضمائر کے ساتھ ملا دیں، مثلاً: 'دیا مجھ کو' یا 'مجھے دیا'، 'ہم کو' یا 'ہمیں مارا'، 'تجھ کو' یا 'تجھے مارا'، 'تم کو' یا 'تمھیں مارا'، 'اس کو' یا 'اُسے' یا

اُس کے تئیں' مارا'، 'اُن کو' یا 'اُنھیں' یا 'اُن کے تئیں' مارا۔

قسم سوم:

ضمیر مضاف الیہ وہ ضمیر ہے کہ جس کی طرف اضافت کریں کسی لفظ کو اور اضافت کی علامت حرف 'کا' یعنی کاف والف ساکن اور حرف 'کے' بہ یاے مجہول اور 'کی' بہ یاے معروف ہے۔

فائدہ:

ضمائر میں اکثر تبدیل وتغیر واقع ہوتی ہے جب اُن کے بعد حروفِ معنوی آویں، اور حروف معنوی باصطلاح جدید دو قسم مقرر کیے گئے ہیں: مفرد اور مرکب۔ مفرد صرف حروف ہیں، جیسا: 'میں' 'سے'، 'کو'، 'کا'، 'والا' وغیرہ۔ اور مرکب جہاں تک کہ اسماے ظروف ہیں، جیسا: 'پاس'، 'طرف'، 'آگے'، 'پیچھے وغیرہ۔ اور شبہ ظروف، جیسا: 'موجب'، 'برابر' وغیرہ۔ چناں چہ جب لفظ 'وہ' اور 'یہ' کے بعد حروفِ معنوی یا اسماے ظروف واقع ہوویں، تب اُس کے حرف 'ہا' کو بدل کریں گے ساتھ 'سین' کے اور حروف 'واؤ' اور 'یا' کو الفِ مضمومہ اور مکسورہ سے۔ مثلاً: 'اُس کو'، 'اُسے'، 'اُس کے تئیں'، 'اُس کا'، 'اُس کے'، 'اُسے' 'اُس میں'، 'اُس نے'، 'آس پاس' وغیرہ۔ اور لفظ 'وے' اور 'یے' کے بعد جب حروف معنوی آتے ہیں، تب تبدیل ہوتا ہے۔ ساتھ حرف 'نہ' یعنی 'نون'، و 'ہا' کے، جیسا: 'اُنھکو'، 'اُنھیں'، 'اُنھوں کو'، 'اُنھوں کا'، 'اُنھوں سے'، 'اُنھوں نے'، 'اُنھ پاس' 'اُن پاس'۔ اور لفظ 'میں' اور 'تئیں' کے بعد جب حرف 'کا' و 'کے' و 'کی' و 'کتھیں' واقع ہو، تب اُن لفظوں کا حرف 'کاف' تبدیل ہوگا ساتھ 'را' کے، جیسا: 'میرا' گھوڑا، 'تیرا' گھوڑا، 'میرے' پاس، 'تیرے' پاس، 'میری' لونڈی، 'تیری' لونڈی، 'میرے' تئیں، 'تیرے' تئیں'۔ پس 'را' و 'رے' و 'ری' و 'تئیں' واقع ہے۔ موقع میں 'کا' و

'کے' و 'کی' و 'کتئیں' کے، اسی واسطے درست نہیں 'میرا کا' گھوڑا، 'میرے کے' پاس، 'میری کی' لونڈی، 'میرے کے' تئیں؛ اور نہیں تو لازم آوے گا اجتماع عوض معوض عنہ کا۔ اور جب اُن دونوں کے بعد حرف 'نے' آوے، تب تبدیل نہیں ہوتی ہے جیسا: 'میں نے'، 'تیں نے'۔ اور سوائے اُن پانچ حرفوں کے اور حروف جب آویں گے، تب تبدیل ہوگی ساتھ حرف 'جھ' کے یعنی 'جیم' و 'ھا' کے، جیسا: 'مجھ کو'، 'تجھ کو'، 'مجھے'، 'تجھے'، 'مجھ سے'، 'تجھ سے' 'مجھ میں'، 'تجھ میں'، 'مجھ پر'، 'تجھ پر' وغیرہ۔ اور لفظ 'ہم' و 'تم' کے بعد جب حرف 'کا' و 'کے' و 'کی' و 'کتئیں' واقع ہو تب اسی طرح 'کاف' کو ساتھ حرف 'را' کے بدلتے ہیں اور بعد میں میم، ہم، اور تم کے حرف 'ھ' اور 'الف' بھی زیادہ کرتے ہیں۔ مگر 'ھ' لفظ 'ہمارے' سے کثرتِ استعمال کے سبب حذف ہوتی ہے، جیسا: 'ہمارا'، 'تمھارا'، 'ہمارے'، 'تمھارے'، 'ہماری'، 'تمھاری'، 'ہمارے تئیں'، 'تمھارے تئیں'۔ اور سوائے اس کے اور کسی حرف کے سبب تبدیل نہیں ہوتی ہے، جیسا: 'ہم نے'، 'تم نے'، 'ہم سے'، 'تم سے'، وغیرہ۔

نوعِ سوم:

اسم اشارے کے چار لفظ ہیں: دو واسطے اشارۂ طرفِ قریب کے، یعنی 'یہ' واحد اور 'یے' جمع، اور دو واسطے اشارۂ طرفِ بعید کے، یعنی 'وہ' واحد اور 'وے' جمع، اور اسماے اشارے میں تبدیل اُسی طرح سے ہے جیسے ضمیر غائب میں۔

فائدہ:

جب ایک ہی جملے میں اسماے ضمائر یا اسماے اشارے کے بعد دوسری ضمیر مضاف الیہ یا اسم اشارۂ مضاف الیہ واقع ہو، تب اس ضمیر اور اسم اشارۂ مضاف الیہ کو تبدیل کرتے ہیں ساتھ لفظ 'اپنا' اور 'اپنے' بیاے مجہول، اور 'اپنی' بیاے معروف کے، جیسا: 'میں اپنے گھر جاؤں'، 'تو اپنا گھوڑا بیچ'، 'وہ اپنے گھر جائے' اور نہیں جائز ہے 'میں

میرے گھر جاؤں'، 'تو تیرا گھوڑا بیچ' وغیرہ۔ بخلاف اس کے اگر دو جملوں میں واقع ہو، جیسا: 'میں ہوں یہاں' اور 'میرا گھوڑا وہاں'۔

فائدہ:

ضمائر میں تخصیص یا تاکید کے واسطے اکثر لفظ 'ہی' بہ یائے معروف یا 'آپ' یا 'آپ ہی آپ' یا 'خود' یا 'نج' استعمال کرتے ہیں، جیسا: 'میں ہی جاؤں گا'، 'میں آپ جاؤں گا' 'میں آپ ہی آپ کھاؤں گا'، 'میں نے خود دیا ہے'، 'یہ چیز میرے نج کی ہے'۔

فائدہ:

لفظ 'آپس' دلالت کرتا ہے مشارکت پر، خواہ متکلم کے ساتھ ہو، خواہ مخاطب یا غائب کے، جیسا: 'ہم آپس میں بخشتے ہیں'، 'تم آپس میں جھگڑتے ہو'، 'وے آپس میں لڑتے ہیں'۔

فائدہ:

ہندی محاورے میں ضمیر متکلم کی جگہ فروتنی کے واسطے بہ حسب مراتب لفظ 'بندہ' اور 'غلام' اور 'نیازمند' اور 'خاکسار' اور 'احقر' اور 'مخلص' اور 'فدوی' اور 'عاصی' اور 'گنہگار' وغیرہ، اور ضمیر مخاطب و غائب کے مقام میں ادباً و تعظیماً موافق مراتب کے لفظ 'خود بدولت' اور 'خداوند' اور 'پیر مرشد' اور 'صاحب قبلہ' اور 'ملازمان' وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔

نوعِ چہارم:

اسمائے موصول کے دو لفظ ہیں: 'جو' اور 'جون' اور 'یے' دونوں حالتِ فاعلی میں مشترک ہیں درمیان تذکیر اور تانیث اور وحدت اور جمع کے، مثلاً: 'جو مرد آیا تھا'، 'جو رنڈی آئی تھی'، 'جو مرد آئے تھے، بیائے مجہول' 'جو رنڈیاں آئی تھیں'، لیکن ان کی

تبدیلی حرف معنوی یا اسماے ظروف کے سبب حالتِ وحدت میں ساتھ حرف 'سین' کے ہوتی ہے، جیسا: 'جس کو'، 'جس کا'، 'جس نے'، 'جس پاس' وغیرہ۔ اور حالتِ جمعیت میں ساتھ حرف 'نون' اور 'ہ' کے، مثلاً: 'جن کو'، 'جنھوں کو'، 'جنھوں نے' وغیرہ۔ اسماے موصول متضمن ہیں معنی شرط کو، پس اُس کی جزا میں لفظ 'سو' اور 'توں' آتا ہے، مثلاً: 'جو آدمی کل آیا تھا سو آج آیا ہے'۔

فائدہ:

اسم موصول کبھی خود بہ سبب حروف کے بدل ہوکر اپنے ماقبل کے اسم کو تبدیل سے باز رکھتا ہے، جیسا: 'وہ لڑکا جس نے تجھ کو مارا تھا'۔ پس بہ سبب لفظ 'نے' کے لفظ 'لڑکا' بدل نہ ہوا بلکہ لفظ 'جو' خود مبدل ہوا۔ اور لفظ 'توں' کی تبدیل برابر ہے لفظ 'جوں' کی تبدیل کے۔

فائدہ:

لفظ 'کون' اور 'کیا' استفہام پر دلالت کرتے ہیں جیسا شعر سودا کا:

بیت:

گر تُو ہے با وفا تو جفا کار 'کون' ہے؟
دل دار تُو ہوا تو دل آزار 'کون' ہے؟

بیت:

تو نے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے 'کیا' کہتے ہیں؟

اور لفظ 'کیا' اگر زجر کے ساتھ ہو تو منع کے معنی کا فائدہ دیتا ہے، جیسا اگر کوئی جھڑکی کے ساتھ کہے کہ 'تو کیا کرتا ہے؟' یعنی 'مت کر'۔ اور کبھی فائدہ استغنا کا جیسا:

مصرع ؎

تجھ بن بہشت پیارے میں لے کے 'کیا' کروں گا؟

اور کبھی معنی تعجب کا، جیسا: بیت

چل یقیں بہتر نہیں ہے اس لئے اے جل مرنے کی طرح

'کیا' ہی پھولے ہیں پلاس اور لگ رہی ہے بن میں آگ

اور کبھی واسطے تمنا اور حسرت کے، جیسا: مصرع

اگر دلبر ہمارے بر میں آج آتا تو 'کیا' ہوتا؟

اور تبدیل لفظ 'کون' اور 'کیا' کی اسمائے موصول کی تبدیل کے برابر ہے، جیسا: 'یہ کس کا گھر ہے؟' اور 'یہ کس کی کتاب ہے؟'

فائدہ:

لفظ 'کوئی' اصل میں واسطے تنکیر ذی روح کے ہے ، مثلاً: 'کوئی مرد' اور تبدیل اُس کی ہے 'کسی' یائے معروف کے ساتھ۔ اور لفظ 'کچھ' اصل میں واسطے تنکیر غیر ذی روح کے، جیسا: 'کچھ چیز' اور تبدیل اُس کی 'کسو' واو معروف کے ساتھ ہے، مثلاً: 'کسو ملک میں' ؛ لیکن یہ دونوں لفظ اکثر ایک دوسرے کی جگہ مستعمل ہوتے ہیں، مثلاً: 'یہ بھی کچھ آدمی ہے؟' یا 'یہ بھی کوئی چیز ہے؟'

متفرقات

لفظ 'کون' یا 'کوئی' یا 'کچھ' اور حروف معنوی کے درمیان میں اگر فصل واقع ہو تو یے الفاظ ضرورت شعری سے نہیں بدلے جاتے ہیں، لیکن نثر میں اس طرح سے بولنا بہت ضعیف محاورہ ہے، جیسا: 'کون شخص کا آدمی ہے؟'، 'وہ شخص میری 'کچھ' چیز میں دخیل نہیں ہے۔' شعر ؎

ا۔ نسخہ مطبوعہ کلکتہ اسکول بک سوسائٹی ۱۸۲۰ء میں 'اُنے' ہے۔

مجھ سے مت جی کو لگاؤ کہ نہیں رہنے کا
میں مسافر ہوں 'کوئی' دن کو چلا جاؤں گا

(یعنی 'کسی دن کو')

فائدہ:

لفظ 'ہم'، 'تم'، 'اُن'، 'اِن'، 'جن'، 'تِن'، 'کن' اگرچہ جمع ہیں لیکن تعظیماً واحد پر بھی اطلاق کیے جاتے ہیں، بخلاف لفظ 'انھوں'، 'جنھوں'، 'تنھوں'، 'کنھوں'، کے کہ یے الفاظ سوائے جمع کے واحد پر نہیں بولے جاتے ہیں۔

فائدہ:

جو شخص خوب لحاظ کرے لفظ 'یہ' اور 'وہ' اور 'کون' اور 'جون' اور 'تون' اور 'کوئی' پر، پس اُس کو بہ آسانی معلوم ہوگا کہ جب اُن کے ساتھ ملادیں لفظ 'آں' یعنی الف ونون ساکن یا لفظ 'یں' یعنی حرف یا ونون ساکن، تب دلالت کریں گے مکان پر، مثلاً: 'یہاں'، 'وہاں'، 'جہاں'، 'تہاں'، 'کہیں' وغیرہ۔ اور جب حرف 'وں' یعنی واو اور نون ساکن داخل کریں تب دال ہوں گے۔ معنی طرح پر یا طلب علت پر، مثلاً 'یوں'، 'ووں'، 'کیوں'، 'جیوں'، 'تیوں'، اور جب لفظ 'دھر' تب دلالت کریں گے طرف پر، جیسا: 'ادھر'، 'اُدھر'، 'کدھر'، 'جدھر'، 'تدھر'، اور جب حرف 'سا' تب تشبیہ پر، : چناں چہ 'ایسا'، 'ویسا'، 'کیسا'، 'جیسا'، 'تیسا'۔ اور جب لفظ 'تنا' یعنی حرف تا اور نون اور الف ساکن یا لفظ 'تا' تب مقدار پر، جیسا: 'اِتنا'، 'اُتنا'، 'اِتا'، 'اُتا'، 'کتنا'، 'کتا'، 'جتنا'، 'جتا'، 'تِتا'، 'تتنا'، 'تتا' اور جب حرف یائے موحدہ با 'دال' تب زمانے پر، چناں چہ 'اب'، 'کب'، 'کد'، 'جب'، 'جد'، 'تب'، 'تد'، وغیرہ۔

فائدہ:

اسمائے ضمائر یا اسمائے اشارہ یا اسمائے موصول یا اسم استفہام یا اسم تنکیر کی تبدیل کے

واسطے حروف[1] ضرور ہیں، خواہ ملفوظ ہوں یا مقدر، مثلاً: 'اس قدر'، 'اُس قدر' 'کس قدر'، 'جس قدر' 'تس قدر'، 'اس وقت'، 'اُس وقت'۔ پس اُنھوں کے بعد ایک حرف مقدر ہے، یعنی 'اس قدر سے' یا 'اُس وقت میں' وغیرہ۔

باب سوم

تقسیم میں اسم کی باعتبار دلالت کرنے کے معنی اسمی اور صفتی پر۔ پس اگر اسم دلالت کرے کسی ذات پر بغیر سمجھے جانے معنی وصفیہ کے، تب وہ اسم ہے، جیسا: 'رام'، 'لچھمن'، 'کمان'، 'تیر'، 'زید'، 'عمرو'، 'کشن'، 'رادھا' وغیرہ۔ اور جب دلالت کرے کسی ذات پر ساتھ ایک وصف کے تب وہ صفت ہے ، جیسا: 'بھلا'، 'برا'، 'نیک'، 'بد' وغیرہ۔ پس صفت کی دو قسم ہیں: ایک مفرد، جیسا: 'اچھا'، 'بھلا'، 'برا'، 'سرخ'، 'سفید'، 'سبز'، 'زرد'، 'موٹا'، 'پتلا'، 'باریک'، 'گندہ'، 'سیدھا'، 'ٹیڑھا'، 'دبلا'۔ دوسری مرکب، یعنی صیغۂ اصلی پر زواید کے ملانے سے صفت حاصل ہووے۔ پس صفت مرکب کی دو اقسام ہیں:

<u>قسم اول:</u>

یہ کہ زواید اُس کے آخر میں آویں، پس کبھی تو حرف یاے معروف کو آخر اسم کے لانے سے صفت حاصل ہوتی ہے، جیسا: 'وزنی'، 'بلغمی'۔ اور کبھی 'گی' کے ملانے سے جیسا: 'پیشگی'، 'خانگی'۔ اور کبھی لفظ 'ینہ' کے لانے ، سے جیسا: 'چوبینہ' 'پشمینہ'، 'روزینہ'۔ اور کبھی لفظ 'چی' سے چناں چہ: 'خزانچی'، 'مشعلچی'، 'توشکچی'، 'قابوچی'، 'بندوقچی'۔ اور حرف 'ا'، یعنی الف ساکن اور لفظ 'الا' اور 'الو' اور 'ال' اور 'وا' اور 'واڑ' اور 'ویا' اور 'یلا' بہ یاے معروف اور 'یلا' بہ یاے مجہول اور 'یلا' بہ یاے ساکن ماقبل مفتوح اور 'یل' بہ یاے مجہول اور 'یل' بہ یاے مفتوح کے لاحق ہونے

۱۔ نسخہ مطبوعہ ۱۸۶۴ء میں 'حرف' ہے۔

سے صفت حاصل ہوتی ہے، چناں چہ: 'بھوکھا'، 'راجا'، 'داتا'، 'راستا'، 'گوالا'، 'شوالا'، 'دیالو'، 'جھگڑالو'، 'رکھوال'، 'دیسوال'، 'مچھوا'، 'بیسوا'، 'جیوار' 'سکھوار'، 'گونیا'، 'نچونیا'، 'ٹھٹھیلا'، 'پتھریلا'، 'گھریلا'، 'ہٹیلا'، 'سجیلا'، 'پتریلا'، 'بوجھیل'، 'دودھیل'، 'گھایل'، 'پایل'۔ اور لفظ 'ہارا' اور 'ہار' اور 'ار' یا حرف 'ر' فقط اور 'یرا' بہ یائے مجہول اور 'ڑا' برائے ہندی اور 'ڑی' کے ملانے سے صفات حاصل ہوتی ہیں؛ چناں چہ 'لکڑہارا'، 'مارن ہارا'، 'چوڑی ہار'، 'منیہار' 'کمہار'، 'چمار'، 'سنار'، 'لہار'، 'تمردار'، 'لٹیرا'، 'سپیرا'، 'بھگوڑا'، 'پچھڑا'، 'لنگڑی'، 'موٹوی'۔ اور لفظ 'اک' یعنی الف اور کاف ساکن اور 'اکا' اور 'کا' اور 'کڑ' بہ رائے ہندی اور 'بھڑ' اور 'سا' اور 'سی' اور 'کا سا' کے ضم کرنے سے صفات حاصل ہوتی ہیں، مثلاً: 'دوڑاک'، 'خوراک'، 'بھڑاکا'، 'کڑاکا'، 'پھلکا'، 'لڑکا'، 'سکڑ'، 'بھکڑ'، 'سیر بھڑ'، 'کربھڑ'، 'مردسا'، 'عورت سی'، 'حیوان کا سا'۔ اور لفظ 'یت' اور 'یتہ' بیائے ساکن ماقبل مفتوح اور لفظ 'گر' اور 'گار' اور 'کار' اور 'دار' اور 'بردار' اور 'بر' اور 'بان' اور 'وان' اور 'مند' اور 'ونت' اور 'مان' اور 'باز' اور 'ور' اور 'آور' کے داخل ہونے سے صفات بنتی ہیں؛ چناں چہ: 'ذکیت'، 'ذحلیت'، 'چڑھیتہ'، 'جادوگر'، 'رفوگر'، 'خدمت گار'، 'یادگار'، 'چتر کار'، 'آزمودہ کار'، 'زمیدار'، 'بوٹے دار'، 'حقے بردار'، 'فرماں بردار'، 'پیام بر'، 'دلبر'، 'باغبان'، 'بادبان'، 'دروان'، 'گاڑی وان'، 'دولت مند'، 'ہوش مند'، 'عقل مند'، 'دھنونت'، 'بدھمان'، 'بدیامان'، 'انگل باز'، 'جاں باز'، 'قدم باز'، 'جانور'، 'نصیب ور'، 'دلاور'، 'زورآور'۔ اور لفظ 'گیں' اور 'یں' بیائے معروف اور 'ناک' اور 'ساز' اور 'ندہ' اور 'زادہ' اور 'زاد' اور 'زا' اور 'بخش' اور 'ساز' اور 'خواہ' اور 'اندیش' اور 'طلب' اور 'شناس' اور 'دان' اور 'فہم' اور 'پوش' اور 'بخش' اور 'بند' اور

'پرست'، اور 'فروش' اور 'گیر' اور 'خوار' اور 'خور' کے ضم کرنے سے اکثر صفات حاصل ہوتی ہیں، مثلاً: 'غمگین'، 'شرمگین'، 'چوبین'، 'شوقین'، 'شرمناک'، 'غمناک'، 'خاکسار'، 'شرمسار'، 'شرمندہ'، 'نویسندہ'، 'شاہزادہ'، 'وزیرزادہ' 'خانہ زاد'، 'مادرزاد'، 'میرزا'، 'ولایت زا'، 'سرکش'، 'پیش کش'، 'زمانہ ساز'، 'خانہ ساز'، 'خیرخواہ'، 'بدخواہ'، 'خیراندیش'، 'بداندیش'، 'خیرطلب'، 'آرام طلب'، 'سخن شناس'، 'قدرشناس'، 'سخن داں'، 'عروض داں'، 'سخن فہم'، 'تیزفہم'، 'روپوش'، 'پاپوش'، 'کرم بخش'، 'خطابخش' 'چھپربند'، 'زیربند'، 'بت پرست'، 'آتش پرست'، 'مے فروش'، 'خودفروش'، 'عالم گیر'، 'کف گیر'، 'خواں خوار'، 'غم خوار'، 'چغل خور'، 'رشوت خور'۔ اورلفظ 'خواں' و 'گو' و 'جو' و 'بیں' و 'انداز' و 'چلا' و 'سوار' و 'نشیں' کے داخل ہونے سے صفات حاصل ہوتی ہیں؛ چناں چہ: 'فارسی خواں' 'قصہ خواں'، 'دروغ گو'، 'کم گو'، 'عیب جو'، 'نام جو'، 'باریک بیں'، 'دوربیں'، 'گول انداز'، 'تیرانداز'، 'گول چلا'، 'دل چلا'، 'گھوڑسوار'، 'فیل سوار'، 'دل نشیں'، 'پالکی نشیں'۔اورایسے ہی لفظ 'ربا' و 'موہن' و 'چیں' و 'ریز' و 'فشاں' و 'سوز' و 'کن' و 'زدہ' یا 'مارا' و 'آلودہ' و 'زن' سے، جیسا: 'دلربا'، 'کہربا'، 'من موہن'، 'جگ موہن'، 'خوشہ چیں'، 'نکتہ چیں'، 'خوں ریز'، 'رنگ ریز'، 'گل فشاں'، 'زرفشاں'، 'دل سوز'، 'فتیلہ سوز' 'گورکن'، 'بیخ کن'، 'برق زدہ'، 'آفت زدہ'، 'گاج مارا' 'بٹ مارا'، 'شکر آلودہ'، 'خواب آلودہ'، 'رہزن'، 'نیش زن'۔اورایسے ہی لفظ 'آشوب' و 'آزار' و 'افروز' و 'افراز' و 'دوست' و 'دشمن' و 'آموز' و 'آمیز' و 'انگیز' سے، جیسا: 'شہرآشوب'، 'دل آشوب'، 'دل آزار'، 'خالق آزار'، 'بزم افروز'، 'گیتی افروز'، 'سرافراز'، 'گردن افراز'، 'وطن دوست'، 'خانہ دوست'، 'فقیردشمن'، 'زن دشمن'، 'نو آموز'، 'جنگ آموز'، 'گلاب آمیز'، 'مکرآمیز'، 'آتش انگیز'، 'فتنہ انگیز'۔اوراسی طرح

لفظ 'پرور' و 'پال' و 'نواز' و 'پرداز' و 'فریب' و 'کشا' و 'گداز' و 'نما' و 'بوس' سے، جیسا: 'غریب پرور'، 'زبان پرور'، 'بچن بال'، 'گوپال'، 'غریب نواز'، 'بندہ نواز'، 'کار پرداز'، 'سخن پرداز'، 'شکار فریب'، 'مردم فریب'، 'مشکل کشا'، 'دل کشا'، 'جاں گداز'، 'برف گداز'، 'بدنما'، 'رہنما'، 'قدم بوس'، 'پابوس'۔ اور لفظ 'گوں' یا 'فام' و 'مائل' و 'باز' کے ضم کرنے سے صفات ہوتی ہیں، چناں چہ: 'گلگوں'، 'گندم گوں'، 'سیاہ فام'، 'گلفام'، 'زردی مائل'، 'سرخی مائل'، 'نرد باز'، 'اشک باز'۔ اور ایسے ہی لفظ 'رَو' اور 'دوز' و 'رس' و 'شو'، جیسا: 'سبک رو'، 'گرم رو'، 'خیمہ دوز'، 'زمیں دوز'، 'فریادرس'، 'دادرس'، 'مردہ شو'، 'دیگ شو'۔

قسم دوم:

یہ کہ زواید اول میں آویں، پس لفظ 'بد' و 'زشت' و 'کو' کے لاحق کرنے سے صفات ذم کی حاصل ہوتی ہیں، جیسا: 'بدصورت'، 'بدشکل'، 'زشت رو'، 'کوڈول'۔ اور لفظ 'نیک' و 'خوش' و 'خوب' و 'سو' کے اول میں آنے سے صفات مدح کی حاصل ہوتی ہیں، جیسا: 'نیک بخت'، 'خوش نما'، 'خوب صورت'، 'سوڈول'۔ اور لفظ 'تنگ' و 'پست' و 'دوں' و 'کم' کے اول میں آنے سے معنی چھوٹائی و کمی کے حاصل ہوتے ہیں، جیسا: 'تنگ دل'، 'دوں ہمت'، 'پست ہمت' 'کم ہوش'۔ اور لفظ 'شہ' کو اول میں لانے سے اکثر معنی تقویت یا کلانی کے حاصل ہوتے ہیں، جیسا: 'شہ زور' 'شہ پر' 'شہ تیر' اور ایسے ہی لفظ 'قابل' و 'صاحب' و 'اہل' و 'ذی' کے آنے سے صفات حاصل ہوتی ہیں[1]، جیسا: 'قابل علاج'، 'صاحب شعور'، 'اہل دل'، 'ذی ہوش'۔ اور لفظ 'زیادہ' و 'فضول' و 'ہم' و 'ایک' و 'نیم' و 'ادھ' کے اول میں لانے سے صفات ہوتی ہیں ، جیسا: 'زیادہ گو'، 'فضول گو'، 'ہم جنس'، 'ہم سر'، 'ہم

---

[1] نسخۂ مطبوعہ ۱۸۶۳ء میں اس سے پہلے 'صفات' کا لفظ بھی ہے۔

وطن، 'ایک وطن'، 'نیم مردہ'، 'ادھ موا'۔ اور ایسے ہی لفظ 'پیش' و 'پس'، جیسا: 'پیش تر' و 'پس خوردہ' و 'پس رو'۔

فائدہ:

کبھی صفات سے مراد ہوتی ہیں ذاتیں بغیر لحاظ معنیِ وصفیہ کے، مثلاً: 'اچھے آدمی یہاں بھوکھوں کو کھلاتے ہیں اس لیے کہ وہاں بھلوں میں رہیں'۔ پس بھوکھوں سے مراد یہاں اُن کی ذات ہے۔

فائدہ:

امرِ واحد کے ساتھ جب لفظ 'ونیا' بہ یاے مشدد و حرف 'اک' یعنی الف و کاف ساکن و حرف 'ک' یعنی کاف ساکن و حرف 'واو' معروف اور حرف 'کڑ' یعنی کاف و راے ہندی ملاویں، تب معنی اسم فاعل کے حاصل ہوتے ہیں، جیسا: 'مرونیا'، 'لڑونیا' یا 'لڑاک'، 'دوڑاک'، 'پیراک'، 'بوجک'، 'مارو'، 'کھاؤ'، 'بھلو'، 'کدکڑ'، 'جھگڑو'۔

باب چہارم

تبدیل و عدم تبدیل تذکیر و تانیث اور اسما کی حالات اور وحدت و جمعیت کے بیان میں، اور یہ باب مشتمل ہے پانچ فصل پر۔

فصل اول

عدم تبدیل، یعنی متبدل نہ ہونے میں اسما یا صفات کے جتنے اسم کہ اُن کے آخر الف ساکن یا حرف ہاے ساکن نہ ہو، اُن کے صیغۂ واحد میں بہ سبب حروف معنوی یا اسماے ظروف کے کبھی تبدیل و تغیر نہیں ہوتی ہے، جیسا: 'مرد'، 'کتاب'، 'ساقی'،

'لڑکی'، 'لال'، 'زرد'، 'سرخ'، 'نیک'، 'بد'۔

فصل دوم

جتنے اسما خواہ اسما جوامد ہوں یا صفات یا مصدر یا اسما مشتق کہ اُن کے آخر میں حرف 'ا' یا 'ہ' یعنی الف ساکن یا ہاے ساکن ہو، واحد میں، بواسطۂ حروف یا اسماے ظروف کے تبدیل حرف آخر کی ہوتی ہے ساتھ حرف 'ے' کے یعنی یاے مجہول کے، مثلاً 'لڑکا' 'لڑکے کو'، 'لڑکے کا' 'لڑکے کے'، 'لڑکے نے'۔ 'بندہ': 'بندے کو'، 'بندے کا'، 'بندے کے'، 'بندے نے'۔ 'بھلا': 'بھلے کو'، 'بھلے کا'، 'بھلے نے'۔ 'کھانا': 'کھانے کو'، 'کھانے کا'، 'کھانے کے' وغیرہ۔ 'مارنے والا': 'مارنے والے کو'، 'مارنے والے کا'، 'مارنے والے کے'، 'مارنے والے نے'۔ 'لکھا': 'لکھے کو'، 'لکھے کا'، 'لکھے کے'۔ مثلاً: مصرع:

تقدیر کے لکھے کو امکان نہیں دھونا یعنی لکھے ہوئے کو۔

مصرع:

خاوند کے کانے سر کو گھوڑا ملا ہی بھالا (بھلا)

یعنی کانے ہوے سر کو۔ مگر چند الفاظ کہ وے ہندی میں بطور تانیث کے مستعمل ہیں، جیسے: 'دعا'، 'دوا'، 'سزا'، 'قبا'، 'قضا'، 'بلا'، 'غذا'، 'جزا'، 'رضا'، 'تمنا'، 'دیا'، 'وفا'، 'جفا'۔ پس انھوں میں حروف کے سبب تبدیل نہیں ہوتی ہے، یعنی نہیں کہتے آپ کے 'دوعے'، 'سزے'، سے۔ اور انھوں کی حالتیں موافق ہیں فصل اول کے اسماے مونث سے اور ایسے ہی چند الفاظ دوسرے مستثنیٰ ہیں، جیسا: 'خدا'، 'بابا'، 'چچا'، 'امرا'، 'ملا'، 'کچا'، 'لالا'، 'سودا'، 'میرزا'، 'خفا'، 'مصفا'، 'پیدا'، 'داتا'۔

فائدہ:

جب ایک مرکب حاصل ہو ایسے دو اسم سے یا زیادہ کہ وے دونوں قابل تبدیل ہیں ، تب واسطے حروف معنوی کے انھوں کی تبدیل ضرور ہے: جیسا 'گلے کئے'، 'لڑکے نے'۔

فائدہ:

تبدیل اسما کے واسطے حرف معنوی ضرور ہے ، خواہ مذکور ہو ، جیسا مثال اس کی سابق گزری یا مقدر ہو ، جیسا: 'گھر کے آگے رکھو'، یعنی 'آگے میں' اور ایسا ہی 'اپنے گھر جاؤ'۔ اور 'اس قدر' اور 'جس دم' اور 'لڑکے' یعنی 'اے لڑکے'۔ اور بھی حروف معنوی فارسی و عربی بھی موجب تبدیل کے ہو جاتے ہیں ، مثلاً 'بنارس سے تا کلکتے' یا 'بغیر از کھانے' وغیرہ۔ اور اسمائے متبدلہ میں لاحق ہیں علامتیں اضافت کی ، جیسا: 'مرد کا گھر'، 'مرد کے گھر کو'۔ اور حروف تشبیہ چناں چہ: 'سا'، 'سی'، 'کیسا'، 'کیسی'، 'کیسے'، 'جیسا'، 'جیسی'، 'جیسے'۔ اور جو صفات عددی کہ اُن کے آخر میں 'وان' ہو ، بہ واسطہ حروف کے تبدیل اُن کی ساتھ حرف 'ویں' بیائے مجہول کے ہوگی ، مثلاً: 'دسویں مرد کے پاس' ، و بہ یائے معروف ، جیسا: 'دسویں رنڈی کے پاس'۔

فصل سوم

تذکیر و تانیث دو قسم ہے: حقیقی یا غیر حقیقی۔ مذکر حقیقی وہ ہے کہ جس کے مقابل میں ایک مادہ ہوئے حیوان کی جنس سے جیسا: 'ہاتھی'، 'پتا'، 'مرد'، 'خصم'۔ اور مونث حقیقی وہ ہے کہ جس کے مقابل میں ایک نر ہوئے حیوان سے ، جیسا: 'ہتھنی'، 'ماتا'، 'رنڈی'، 'جورو'۔ اور مذکر مونث غیر حقیقی کی دو قسم ہیں: اول ، سماعی: وہ کہ اہل زبان سے سنا گیا ہے اور کوئی قاعدہ مقرر نہیں ، جیسا: 'کتاب'، 'قدر'، 'لگن' بہ معنی محبت ، 'دھوم'،

'بھیڑ'، 'فوج'۔دوسری: قیاسی ؛ وہ کہ اس کے واسطے کوئی قاعدہ ہووے۔ بس جانا[1] چاہیے کہ ہندی میں مذکر کے واسطے سوائے اکثریے کے کوئی قانون کلیہ نہیں ہے اور تانیث کے واسطے تین قانون کلیے ہیں۔باقی اکثریے۔

قانون:

جو اسما کہ ان کے آخر میں حرف 'ا' یعنی الف ساکن یا حرف 'ہ' یعنی ہائے ساکن ہووے ، وے اکثر مذکر ہیں ، جیسا: 'کپڑا'، 'مہینا'، 'بندہ'، 'پردہ'، 'خانہ'۔

قانون:

جو اسما کہ ان کے آخر میں حرف 'ا' یعنی یائے معروف ساکن آوے ، اکثر موٴنث ہے ، جیسا: 'پگڑی'، 'روٹی'، 'حویلی'، مگر چند الفاظ ، یعنی 'پانی'، 'جی'، 'گھی'، 'موتی'، 'دہی'۔اور کبھی حرف یائے معروف علامت تصغیر کی بھی ہوتی ہے ، جیسے: 'رسّا'، 'رسّی'، 'گولا'، 'گولی'۔

قانون:

جو اسم کہ تفعیل کے وزن پر آویں ، وے سب موٴنث ہیں ، چناں چہ 'تقدیر'، 'تدبیر'، 'تحصیل'، 'تکمیل'، 'تقریر'، 'تحریر'، 'توقیر'، وغیرہ ، مگر لفظ 'تعویذ'، یا بہ رعایتِ شعر کے جیسا:

سال ہا ہم نے صنم نالۂ شب گیر کیا
آہ اک روز ترے دل میں نہ تاثیر کیا

قانون:

جتنے حاصل بالمصدر فارسی کہ ان کے آخر میں حرف 'شین' ہے ، وے سب موٴنث ہیں ، جیسا: 'سوزش'، 'سفارش'، 'طپش'، 'کشش'۔

---

[1] نسخہ جات مطبوعہ ۱۸۲۰ء اور مطبوعہ ۱۸۲۲ء میں 'جاتا' ہے۔ظاہر ہے کہ یہ 'جاننا' ہے۔

قانون:

جس کے آخر میں تاے ساکن ہو ، وہ اکثر مونث ہیں جیسا: 'قدرت'، 'مروّت'، 'خلقت'، 'نصرت'، 'کثرت'۔

قانون:

اکثر اسما مذکر ہیں کہ ان کے اسماے مونث کے آخر میں یے کئی حروف واقع ہوتے ہیں ، 'ی' یعنی یاے معروف ، و 'یَن' یعنی یاے مفتوح ونون ساکن و'این' یعنی یاے مفتوح ،ودرمیان دو ساکن الف ونو کے ،و'ان' یعنی نون ساکن و ماقبل مفتوح ، و 'نی' یعنی نونِ مکسور و یاے معروف و'انی' یعنی الف ساکن ونون مکسور و یاے معروف ، و 'ن' یعنی نون ساکن و ماقبل مکسور ، و 'ا' یعنی الف ساکن ، مثلاً: 'بکرا بکری'، 'شاہزادہ شاہزادی'، 'بنیا بنیاین'، 'کبجا کبجاین'، 'پنڈت پنڈتاین'، 'پانڈے پنڈاین'، 'دولھا دولھن'، 'کونجڑا کونجڑن'، 'ملا ملانی' 'برہمن برہمنی'، 'کھتری کھترانی'، 'مہتر مہترانی'، 'سنار سنارن'، 'گوالا گوالن'، 'نایک نایکا'، 'پاچک پاچکا'۔اور تذکیر و تانیث عربی بھی ہندی محاورے میں آتی ہے ، جیسا: 'کریم کریمہ'، 'ملک ملکہ' 'معشوق معشوقہ'۔

فائدہ:

بعضے الفاظ کے مونث متعدد ہوتے ہیں ، جیسا: 'لُہار لہارَن'، بہ فتح را و لُہارِن بہ کسر را 'لُہارنی'، 'لُہاری' اور ایسے ہی 'چمار' 'چمارن' وغیرہ۔

قانون:

اکثر اسماے جنس جو ظاہرا مبہم ہیں تذکیر و تانیث کے حق میں ، ان کی تذکیر و تانیث کے تفرقے واسطے سواے اُن مبہموں کے اور الفاظ مقرر ہیں ، جیسا: 'ہرن' و 'مرغ' مبہم ہے۔اور واسطے تفرقۂ تذکیر و تانیث کے کہتے ہیں ، 'ہرنا ہرنی'، 'مرغا مرغی'۔

قانون:

جہاں تک کہ صفات ہیں ، اُن کی تذکیر و تانیث باعتبار موصوف کے ہوتی ہے۔ مثلاً: 'وہ مرد 'بھلا' تھا، اور 'وہ عورت 'بھلی' تھی'۔ وغیرہ ، اور ایسے ہی لفظ 'کافر' و 'چاکر' و 'خدمت گار' چناں چہ: 'وہ 'کافر' کیا بُرا تھا'

مصرع: کئی 'کافریں' اور بھی ساتھ تھیں

اور بعضے لفظ کی تذکیر و تانیث میں رعایت مدلول کی ضرور ہے یعنی مدلول اگر مذکر ہو تو لفظ بھی مذکر ہوگا اور مدلول اگر مونث ہو تو لفظ بھی مونث ہوگا۔ مثلاً 'آدمی'، 'مانس' جیسا کہتے ہیں: 'کشن کیا بھلا مانس تھا!' اور 'رادھا کیا بھلی مانس تھی!'

فائدہ:

بعضے حرفوں میں بھی تذکیر و تانیث و وحدت و جمع جاری ہے ، مثلاً 'کا' و 'کی' بہ یاے معروف و 'کے' بہ یاے مجہول یا 'سا' و 'سی' بہ یاے معروف و 'سے' بہ یاے مجہول و 'سوں' وغیرہ۔ لفظ 'بھائی' و 'راجہ' و 'ماموں' کے مونث خلاف قیاس آتے ہیں ، جیسا: 'بہن'، 'رانی'، 'ممانی'، اور ایسا ہی قاعدہ چاہتا تھا کہ لفظ 'رانے' و 'گوروا' و 'خان' کے مونث ہوویں ، 'رانی' و 'گوری' و 'خانن' لیکن برخلاف قیاس 'رانی' و 'گوریا' و 'خانم' کہتے ہیں۔ اور موافق اصطلاح فارسی کے تفرقۂ تذکیر و تانیث کے واسطے لفظ نر و مادہ لاتے ہیں ، جیسا: 'گاؤ نر'، 'گاؤ مادہ'، 'شیر نر'، 'شیر مادہ'۔ اور سواے قوانین مذکورہ کے باقی تذکیر و تانیث سماعی ہے ، جیسے اکثر اسم ندیوں کے یا اکثر چڑیوں کے نام۔ اور جیسے حروف تہجی سے اُنیس حرف مونث ہیں ، یعنی 'ب' 'پ' 'ت' 'ٹ' 'ث' 'ج' 'ح' 'خ' 'ذ' 'ڈ' 'ر' 'ڑ' 'ز' 'ژ' 'ط' 'ظ' 'ف' 'ہ' 'ی'۔

فائدہ:

بعضے الفاظ مشترک ہیں درمیان تذکیر و تانیث کے مثلاً 'فکر'، 'جان'۔

فائدہ:

جس لفظ کی تذکیر و تانیث میں ابہام ہووے اس کا استعمال بطور تذکیر کے اولیٰ ہے۔

فائدہ:

فعل متعدی ماضی قریب و بعید کی تذکیر و تانیث میں رعایت مفعول کی ضرور ہے: اگر علامت مفعول کی یعنی 'کو' و 'کتئیں' و حرف 'ے' یعنی یاے مجہول مذکور نہ ہو، خواہ فاعل مذکر ہو یا مونث، جیسا: رنڈی نے روٹی 'کھائی'، مرد نے روٹی 'کھائی'۔ زید نے کھانا 'کھایا'، سیتا نے کھانا 'کھایا'۔ اور جب علامت مفعول مذکور ہو، تب صیغہ مذکر ہی ہوگا، خواہ فاعل مذکر ہو یا مونث، جیسا: 'کشن نے روٹی کو 'کھایا' یا سیتا نے روٹی کو 'کھایا'۔ اور تفصیل اس کی آوے گی بحث فعل میں ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فائدہ:

مصدر کو باعتبار مفعول کے مونث ہونا درست ہے، جیسا: 'جو بات کرنی تھی کی'۔ اور جہاں ایک جزو بدل ہو دوسرے کے ساتھ، تب فعل کی تذکیر و تانیث میں اختلاف ہے لیکن اکثر پہلے کی موافقت کرتے ہیں، جیسا: 'رنڈی مرد ہوگئی'۔ صفات عددی کہ اُن کے آخر میں حرف 'واں' ہے، حالتِ تانیث میں 'ویں' ہوگا بہ یاے معروف، جیسا: 'دسویں' لڑکی بہ یاے معروف۔

فصل چہارم

حالات اسما کے بیان میں

اسم کی حالتیں پانچ ہیں

اول حالت فاعلیت:

فاعل وہ ہے کہ جس سے فعل صادر ہووے ، جیسا: 'مارا زید نے' یا جس میں قائم ہو جیسا: 'سوا زید' یا 'آیا زید'۔

ہندی میں لفظ 'لانا' و 'بولنا' کے سوائے جتنے متعدی ہیں سب کے صیغہ ہائے ماضی کے فاعل کی علامت سوائے ماضی استمراری کے حرف 'نے' یعنی نون و یائے مجہول ہے ، جیسا: مارا ہے 'ہم نے' یا 'ہم نے' مارا تھا۔ اور سوائے اُن کے کسی صیغے کے فاعل کی علامت لفظاً کچھ مقرر نہیں ، مثلاً میں 'ماروں گا'، میں 'کیا تھا'۔ اور یہ کماحقہ بیان کیا جائے گا بحث فعل میں ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دوم حالت مفعولیت:

مفعول وہ ہے کہ جس پر فعل واقع ہو ، جیسا: ہم نے مارا زید 'کے تئیں'۔ مفعول کی علامت حرف 'کو' و 'کتئیں' ہے ، مثلاً: 'زید کو مارا'، 'عمرو کتئیں کہا'۔ اور ضمائر و اسمائے اشارہ و موصول و اسم استفہام میں ایک علامت اور بھی ہے ، یعنی حرف یائے مجہول ، جیسا: 'مجھے'، 'ہمیں'، 'تجھے'، 'تمھیں'، 'اُسے'، 'اُنھیں'، 'اِسے' 'اِنھیں' 'کسے'، 'کنھیں' وغیرہ۔

فائدہ:

علامت مفعول کی کبھی محذوف ہوتی ہے ، جیسا: 'اُس کا گھوڑا' یا 'میرا' گھوڑا

لاؤ، یعنی 'اُس کے گھوڑے کو' یا 'میرے گھوڑے کو'۔ اور یہ حذف کرنا علامت مفعول کا اکثر واقع ہے مفعول ثانی میں متعدّی بدو مفعول کے، جیسا: 'دیا' میں نے زید کو روپیہ، 'سکھائی' میں نے عمرو کو کشتی۔ اور اکثر فعل مرکب کے مفعول کے ساتھ حرف 'کو' کی جگہ حرف 'سے' کہتے ہیں، جیسا: 'اُس سے' ملاقات کی نہ 'اُس کو'، مگر لفظ 'بیان کرنا' کہ اُس میں دونوں صحیح ہے: 'اُس کو' بیان کرو، 'اُس سے' بیان کرو۔

سوم حالتِ اضافت:

وہ کہ نسبت کیا جاوے ایک لفظ دوسرے کی طرف۔ پس جس کو نسبت کریں اُس کا نام مضاف اور جس کی طرف نسبت کریں وہ مضاف الیہ ہے، اور ہندی اضافت میں اصل یہ ہے کہ مضاف الیہ مقدم ہو مضاف پر، جیسا: 'کشن کا گھر' اور اس کا عکس بھی جائز ہے، مثلاً: 'گھر کشن کا'۔ اضافت کی علامتیں تین ہیں۔ حرف 'کا' بہ کاف مفتوح والف ساکن، جب مضاف واحد مذکر ہووے، جیسا: 'زید کا گھر'۔ اور حرف 'کے' بہ یائے مجہول، جب مضاف جمع مذکر ہو، مثلاً: 'زید کے گھر'۔ یا کہ مضاف مذکّر واحد کے بعد حروف آویں، چناں چہ: زید 'کے' گھر سے، زید 'کے' گھر کو، زید 'کے' گھر کا وغیرہ۔ یا کہ اسے ظروف آویں، مثلاً زید 'کے' آگے، زید 'کے' پیچھے، عمر 'کے' سامنے، کشن 'کے' پاس یا کہ لفظ 'مطابق' و 'موافق' و 'ساتھ' و 'برابر' وغیرہ، اس طرح کے اسما آویں جیسا 'اُس کے' مطابق، 'اُس کے' ساتھ، وغیرہ۔ اور حرف 'کی' بہ یائے معروف جب مضاف مونث ہو، خواہ واحد خواہ جمع، اور حروف معنوی ہوں یا نہ ہوں، جیسا: زید 'کی' کتاب، زید 'کی' کتابیں، اُس 'کی' کتاب کو، اُس 'کی' کتابیں، وغیرہ۔ اضافت کے سبب مضاف میں ایک تخصیص ہوتی ہے، جیسے صفت مخصص ہے موصوف کی، مثلاً: مرد 'کا' گھر، یعنی عورت کا نہیں، شیشے 'کا' حقہ، یعنی روپے سونے کا نہیں۔

فائدہ:

لفظ 'آپ' اکثر مجازاً مستعمل ہوتا ہے معنی میں 'تم' کے ، چناں چہ 'آپ' کہاں تشریف لے جاتے ہیں؟ اور اُس کی اضافت دو طور پر ہے ، ایک تو 'آپ کا'، 'آپ کے'، 'آپ کی'، دوسرا 'اپنا'، 'اپنے'، 'اپنی'۔ پس 'نا' و 'نے' و 'نی' قائم ہیں 'کا' و 'کے' و 'کی' کی جگہ میں۔

چہارم حالتِ ظرفیت:

ظرف وہ وقت یا جگہ ہے کہ جس میں فعل صادر ہووے فاعل سے ، پس ظرف دو نوع ہیں:

نوعِ اول:

زمان ، وہ دو قسم ہے: مبہم یعنی غیر معیّن ، جیسا: 'وقت'، 'بیر'، 'سمے'۔ محدود: یعنی معیّن جیسا 'برس' یعنی بارہ مہینے اور 'مہینا' اور 'دن' اور 'رات'۔

نوعِ دوم:

مکان ، اُس کی بھی دو قسم ہے: مبہم جیسا: 'جگہ'، 'ٹھانو' یا 'آگے'، 'پیچھے'، 'دھنے'، 'بائیں'، 'اوپر'، 'نیچے'، 'کنے'، 'پاس'، 'نزدیک' وغیرہ۔ محدود ، جیسا: 'گھر'، 'مسجد' 'دیوہرا'۔ پس ظرف کی علامت ہے لفظ 'میں'، 'کو'، 'بیچ' خواہ مذکور ہو ، جیسا: صندوق 'میں' رکھو ، گھر 'کو' جاؤ ، تالاب 'بیچ' پانی ہے ، یا محذوف ، جیسا: میرے 'آگے' لاؤ، یعنی 'آگے میں'۔ اپنے گھر جاؤ' یعنی گھر کو۔ یا 'جس وقت تم جاؤ' یعنی جس وقت میں۔

پنجم حالتِ ندا:

منادیٰ وہ ہے کہ جو بلایا جائے ان الفظ 'کر کے ارے'، 'رے'، 'آے' بفتح الف

'اے' بکسر الف ، 'او' بہ واو مجہول، 'ابے'، 'بے'، 'اجی'، 'صوت'۔ خواہ وے علامات مذکور ہوں ، جیسا: 'اے میاں، زید' 'رے' وغیرہ یا مقدر ، جیسا: 'لڑکے' بہ یاے مجہول ، یعنی 'اے لڑکے'۔ 'لڑکو' یعنی 'اے لڑکے' سب اور باقی حالتوں کا نام جو حصول اُن کا لفظ 'سے' یا 'ساتھ' یا 'واسطے' پر موقوف ہے ، قلم انداز کیا گیا۔

فصل پنجم

بیان میں وحدت و جمعیت کے

اسماے غیر متبدلہ یا صفات غیر متبدلہ جو فصلِ اول میں مذکور ہیں ، اُن کے مذکر کی جمع کی علامت حالتِ فاعلی میں لفظ کچھ مقرر نہیں، جیسا: 'مرد آئے' بہ یاے مجہول یا 'ساقی بیٹھے' بہ یاے مجہول یا 'ساقی بیٹھے' بہ یاے مجہول ، 'مرد نیک گئے'۔ مگر جب اُن کے بعد حرف 'نے' آوے تب حرف 'وں' یعنی واو و نون غنہ علامت جمع ہے ، جیسا: 'مردوں نے'۔ اور اس فصل کے جتنے اسماے مونث کہ اُن کے آخر میں حرف 'ی' یعنی یاے معروف نہ ہو اُن کی جمع کی علامت حالتِ فاعلی میں حرف 'ی' یعنی یاے مروف نہ ہو اُن کی جمع کی علامت حالتِ فاعلی میں حرف 'یں' یعنی یا و نون غنہ ہے ، جیسا: 'کتابیں'، 'باتیں'، 'عورتیں'، 'بوئیں'۔ اور جن اسماے مونث کے آخر میں حرف 'ی' یعنی یاے معروف ہو ، اُن کی جمع کی علامت حالتِ فاعل میں 'اں' یعنی الف و نون غنہ ہے ، مثلاً: 'لڑکی'، 'لڑکیاں'۔ 'روٹی'، 'روٹیاں'۔ 'پگڑی'، 'پگڑیاں'۔ اور حالتِ ندا میں حرف 'و' یعنی واو مجہول زاید کریں گے ، خواہ مذکر ہو یا مونث ، جیسا: 'مردو' یعنی 'اے مرد سب'۔ 'لڑکیو' یعنی 'اے لڑکیاں'۔ 'ساقیو' یعنی 'اے ساقی سب'۔ اور حالتِ مفعولیت و اضافت و ظرفیت میں یا جب اور کوئی حروف بعد اسماے غیر

مستبدلہ کے آویں ، تب اُنھوں کی جمع کی علامت یہ ہے کہ حرف 'وں' یعنی واو و نون غنہ کو زیادہ کریں ، خواہ مذکر ہو یا مونث ، جیسا: 'مردوں کو'، 'کتابوں کو'، 'ساقیوں کو'، 'لڑکیوں کو'، 'آزادوں کو'، 'مردوں کا'، 'کتابوں کا'، 'ساقیوں کا'، 'لڑکیوں کا'، 'آزادوں کا'، 'مردوں میں'، 'کتابوں میں'، 'ساقیوں میں'، 'لڑکیوں میں'، 'آزادوں میں'، 'مردوں سے'، 'کتابوں سے'، 'ساقیوں سے'، 'لڑکیوں سے'، 'آزادوں سے' وغیرہ۔

فائدہ:

کبھی وقت زاید کرنے علامت جمع کے ایک حرکت لفظ سے حذف ہوتی ہے ، جیسے 'ٹھوکر' ساتھ تاے مفتوح کے و 'چاکر' ساتھ کاف مفتوح کے: پس ان دونوں کی جمع ہے 'ٹھوکروں' و 'چاکروں' ساتھ تا و کاف ساکن کے۔ اور اسماے متبدلہ جو فصلِ دوم میں مذکر ہیں۔ اُن کی جمع کی علامت حالتِ فاعلی میں جو بغیر حرف 'نے' کے ہوے ، یہ ہے کہ اُن کے حرف آخر کے تئیں حرف 'نے' کے ہوے ، یہ ہے کہ اُن کے حرف آخر کے تئیں بدل کریں ساتھ حرف 'ے' یعنی یاے مجہول کے ، جیسا: 'لڑکے' بہ یاے مجہول و 'بندے' و 'پردے' بہ یاے مجہول۔ اور فاعل جو ساتھ حرف 'نے' کے ہووے حالتِ مفعولیت و حالتِ ظرفیت و اضافت میں یا جب کوئی اور حروف واقع ہویں ، ان صورتوں میں اس کی جمع کی علامت یہ ہے کہ حرفِ اخیر کو بدل کریں ساتھ حرفِ 'وں' یعنی واو و نون غنہ کے ، جیسا: 'لڑکوں نے'، 'بندوں نے'، 'بھلوں نے'، 'لڑکوں کو'، 'بندوں کو'، 'بھلوں کو'، 'کھانوں کو'۔ اور حالتِ جمع ندا میں حرف آخر کو بدل کریں گے ساتھ حرف 'و' یعنی واو مجہول کے جیسا: 'لڑکو'، 'بندو' وغیرہ۔

فائدہ:

فصل دوم سے جو چند الفاظ مستثنیٰ ہیں اور سابق مذکور ہوئے ہیں ، وے وحدت و

جمع میں موافق ہیں اسمائے فصل اول کے ، جیسا: 'دعا، دعائیں'، 'سزا، سزائیں'، 'دعاؤں'، 'سزاؤں'، 'امراؤں، علاؤں'۔

متفرقات

جب کسی اسم پر اسمائے عدد واقع ہوں تب اُس کی جمع کی احتیاج نہیں ، جیسا: 'چار مرد' کو مارا' اور ضرور نہیں ہے 'چار مردوں کو'۔ اور اکثر اسمائے عدد و اسمائے ظرف میں واسطے فائدہ دینے کثرت یا حصر کے جمع کی علامت 'وں' یعنی واو و نون غنہ لاتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ اُس کے بعد حرف 'نے' یا اور کوئی حروف جو علامتِ مفعولیت یا اضافت یا ظرفیت وغیرہ کی ہیں ، آوے ، جیسا: 'ہزاروں مرگئے'، 'برسوں گزرے'، 'تینوں بھائی آئے'، 'چاروں بیٹھے'، 'مہینوں ہوئے'۔

فائدہ:

ہندی میں بطور فارسی کے بھی جمع ہوتی ہے ، جیسا: 'باتاں'، 'راتاں'۔ اور اکثر جمع عربی و فارسی مستعمل ہے جیسا: 'ساقیاں'، 'جواناں'، 'ہزارہا'، 'سالہا'، 'مفردات'، 'مقدمات'، 'معاملات'، 'اشراف'، 'نجبا'، 'شرفا'، 'طلبا'، 'فضلا'، 'علما'، 'غربا'، وغیرہ۔ اور کبھی جمع عربی و فارسی پر علامت جمع ہندی داخل کرتے ہیں ، چناں چہ 'احکاموں'، 'امراؤں'، 'علماؤں'، 'مقدماتوں'، 'اشرافوں'، 'نجباؤں'، 'فضلاؤں'۔

فائدہ:

کبھی دو لفظ کہ ایک اس کا باب چہارم کی فصل اول سے ہے جیسا: 'بند' اور دوسرا فصل دوم سے ہووے مثلاً: 'بندہ'، اُن دونوں کی جمع بادی النظر میں ایک ہی ہے ، چناں چہ 'قبا کے 'بندوں' کو' جمع 'بند' کی، 'زید کے 'بندوں' کو' جمع 'بندے

کی لیکن بعد تعمقِ نظر کے معلوم ہوگا کہ اول میں از دیاد ہے اور ثانی میں تبدیل۔

فائدہ:

زبانِ قدیم میں لفظ 'انکھی' و 'نین' و 'آنکھ' کی جمع کئی طور پر ہے 'انکھین' بکسر یا و 'انکھین' بفتح و یا 'نینن' بفتح نون دوم و 'نینن' بکسر نون دوم و 'انکھین' بفتح یا 'انکھیاں' و 'انکھیاں' و 'نیناں'۔

فائدہ:

لفظ 'انکھیا' و 'رتیا' و 'بتیا' تصغیر کے واسطے ہیں، اور حالتِ فاعلی میں جمع ان کی 'انکھیاں'، 'رتیاں'، 'بتیاں' ہے۔

فائدہ:

فعل ماضی متعدی قریب و بعید کے جمع ہونے میں رعایت مفعول کی ضرور ہے، خواہ فاعل واحد ہو یا جمع، جیسا: سپاہیوں کے سامنے شراب کے 'پیالے' ساقیوں نے رکھے' بہ یائے مجہول۔ پس رکھے کو بہ صورت جمع کے لائے بہ سبب ہونے مفعول کے، یعنی پیالے بہ یائے مجہول۔ لیکن جب علامت مفعول مذکور ہووے، تب فعل واحد ہی ہوگا، خواہ مفعول واحد ہو یا جمع، جیسا: 'سپاہیوں کے سامنے شراب کے 'پیالوں' کو ساقیوں نے رکھا'، اور بیان اس کا بحث فعل میں کما حقہ کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بحث دوم

فعل کے بیان میں

فعل وہ لفظ ہے کہ دلالت کرے ایک معنی پر ساتھ استقلال کے، اور تین زمانوں سے ایک زمانہ اس کے ساتھ سمجھا جائے۔ یہ بحث مشتمل ہے دو باب پر۔

باب اول

بیان میں بنانے افعال اور اس کی تصریف یعنی گردان کے جاننا چاہیے کہ ہندی ریختے میں مصدر کی علامت حرف نا یعنی نون اور الف ساکن ہے ، جیسا: مارنا ، ہونا۔ اور بعد حذف کرنے علامت مصدر کے جس قدر کہ باقی رہے وہ بعینہ امر واحد ہے ، اس کے ساتھ جب حرف و ، یعنی واو موقوف یا مجہول زاید کریں، صیغۂ جمع امر ہوگا اور اُنھیں امر کے صیغے پر جب حرف مت یا نہ داخل کریں، نہی کے صیغے حاصل ہوں گے اور امر و نہی میں مذکر و مؤنث برابر ہیں۔

امر حاضر

سمجھ تو	سمجھو تم

نہی حاضر

مت سمجھ تو	مت سمجھو تم

اور اسماے حالیہ جو سابق مذکور ہوے، اُن کے ساتھ جب ملاویں لفظ 'ہوں' و 'ہے' و 'ہیں' و 'ہو' تب فعل حال کے صیغے حاصل ہوں گے، اور اُن سے لفظ 'ہوں'، وغیرہ کو حذف بھی کرتے ہیں۔

حال مذکر مثبت

میں سمجھتا ہوں	تو سمجھتا ہے	وہ سمجھتا ہے
ہم سمجھتے ہیں	تم سمجھتے ہو	وے سمجھتے ہیں

حال مؤنث مثبت

میں سمجھتی ہوں	تو سمجھتی ہے	وہ سمجھتی ہے
ہم سمجھتی ہیں	تم سمجھتی ہو	وے سمجھتی ہے
		وے سمجھتیاں ہیں

اور امر واحد کے آخر میں جب حرف 'ا' یعنی الف ساکن اور 'ے' یعنی یاے مجہول اور 'ی' یعنی یاے معروف اور 'یں' یا 'یاں' بہ یاے معروف لاویں، تب ماضی کے صیغے حاصل ہوں گے۔

ماضی مذکر مثبت

میں سمجھا	تو سمجھا	وہ سمجھا
ہم سمجھے	تم سمجھے	وے سمجھے

ماضی مؤنث مثبت

میں سمجھی	تو سمجھی	وہ سمجھی
ہم سمجھیں	تم سمجھیں	وے سمجھیں
		وے سمجھیاں

لیکن جس وقت امر کے آخر میں حرف الف یا حرف واو ہووے، تب بنانے ماضی کے لیے علامتِ ماضی کے قبل ایک حرف 'یا' چاہیے جیسا: کھایا، کھائی وغیرہ، ڈبویا، ڈبوئی، وغیرہ۔

فائدہ:

گنوار صیغۂ ماضی کے آخر میں اکثر حرف 'یس'، یعنی یاے معروف و سین زاید کرتے ہیں۔ مثلاً: 'ماریس'، 'ڈالیس'، 'کھالیس'، 'کائیں'، وغیرہ۔ اور صیغۂ ماضی کے آخر میں جب لفظ 'ہوں'، و 'ہے' و 'ہیں' و 'ہو' ملاویں، تب ماضی قریب کے صیغے حاصل ہوں گے۔

ماضی قریب مذکر مثبت

میں سمجھا ہوں	تو سمجھا ہے	وہ سمجھا ہے
ہم سمجھے ہیں	تو سمجھے ہو	وے سمجھے ہیں

ماضی قریب مؤنث مثبت

میں سمجھی ہوں	تو سمجھی ہے	وہ سمجھی ہے
ہم سمجھی ہیں	تم سمجھی ہو	وے سمجھی ہیں
		وے سمجھیاں ہیں

لفظ 'تھا' و 'تھے' بہ یاے مجہول و 'تھی' 'تھیں' بہ یاے معروف کہ ان کا مصدر ہندی میں خوب معلوم نہیں ہے ، اگرچہ زبان فارسی کے موافق شاید مصدر اس کا لفظ 'رہنا'، ہوے کیوں کہ لفظ 'تھا' کی فارسی 'بود' ہے اور 'بود' کا مصدر 'بودن' ہے اور 'بودن' کے معنی 'رہنا' ہے۔ غرض بہر صورت ان لفظوں کو ماضی کے صیغوں میں ملانے سے ماضی بعید کے صیغے حاصل ہوتے ہیں۔

ماضی بعید مذکر مثبت

میں سمجھا تھا	تو سمجھا تھا	وہ سمجھا تھا
ہم سمجھے تھے	تم سمجھے تھے	وے سمجھے تھے

ماضی بعید مؤنث مثبت

میں سمجھی تھی	تو سمجھی تھی	وہ سمجھی تھی
ہم سمجھی تھیں	تم سمجھی تھیں	وے سمجھی تھیں
		وے سمجھیاں تھیں

اور انھیں لفظوں کو جب اسماے حالیہ میں ملاویں ، تب ماضی استمراری کے صیغے حاصل ہوں گے۔

ماضی استمراری مذکر مثبت

میں سمجھتا تھا	تو سمجھتا تھا	وہ سمجھتا تھا
ہم سمجھتے تھے	تم سمجھتے تھے	وے سمجھتے تھے

ماضیِ استمراری مؤنث مثبت

میں سمجھتی تھی	تو سمجھتی تھی	وہ سمجھتی تھی
ہم سمجھتی تھیں	تم سمجھتی تھیں	وے سمجھتی تھیں
		وے سمجھتیاں تھیں

اور اسمائے حالیہ کے صیغے بعینہٖ بھی ماضی شرطی کے صیغے ہوتے ہیں۔

ماضیِ شرطی مذکر مثبت

میں سمجھتا	تو سمجھتا	وہ سمجھتا
ہم سمجھتے	تم سمجھتے	وے سمجھتے

ماضیِ شرطی مؤنث مثبت

میں سمجھتی	تو سمجھتی	وہ سمجھتی
ہم سمجھتیں	تم سمجھتیں	وے سمجھتیں
		وے سمجھتیاں

اور امر واحد کے آخر میں جب حرف 'وں' یعنی واو اور نون غنہ ، اور 'یں' ، بیائے مجہول و نون غنہ ، اور حرف 'و' یعنی واو مجہول ضم کریں ، تب مضارع کے صیغے حاصل ہوں گے اور مضارع میں تذکیر و تانیث برابر ہے۔

مضارع

میں سمجھوں	تو سمجھے	وہ سمجھے
ہم سمجھیں	تم سمجھو	وے سمجھیں

اور انھیں مضارع کے صیغوں کے ساتھ جب ملاویں حرف 'گا' یعنی کاف فارسی اور الف اور حرف 'گے' بہ یائے مجہول اور 'گی' بہ یائے معروف اور 'گیں' بہ یائے معروف تب مستقبل کے صیغے حاصل ہوں گے۔

مستقبل مذکر مثبت

میں سمجھوں گا	تو سمجھے گا	وہ سمجھے گا
ہم سمجھیں گے	تم سمجھو گے	وے سمجھیں گے

مستقبل مؤنث مثبت

میں سمجھوں گی	تو سمجھے گی	وہ سمجھے گی
ہم سمجھیں گی	تم سمجھو گی	وے سمجھیں گی

لفظ 'کے' یہ کاف عربی و 'کر' و 'کرکے' و 'کرکر' درمیان دو فعل کے آتے ہیں اس واسطے کہ فاعل ایک کو عمل میں لا کے دوسرے فعل کو اس میں متصل کرے ، جیسا: 'سمجھ کے'، 'سمجھ کر'، 'سمجھ کرکے'، 'سمجھ کرکر'۔ پس اگرچہ موافق اصطلاح حرف عربی کے اُس کا نام مقرر نہیں لیکن از روے معنی کے معطوف علیہ ہونے کا فائدہ دیتا ہے ، مثلاً: 'سمجھ کر گیا'، یعنی سمجھا اور 'تس پیچھے گیا'۔

مصرع۔

دل مرا لے کے لیا[1] چاہتے ہو میری جاں؟

اور کبھی یہ حروف لفظاً محذوف ہوتے ہیں ، جیسا: 'مار گیا'، یہ تصریف جو بیان کی گئی ، افعال مثبت کی ہے۔ اور انھیں افعال پر جب حرف 'نہ' یا 'نہیں' داخل کریں تب افعال منفی ہوں گے۔

فائدہ:

تصریفِ مذکورہ سے یہ معلوم ہوا کہ لفظ 'مارتا'، 'مارتے' وغیرہ کی تین صورتیں ہیں۔ کبھی تو وے اسماے حالیہ ہیں اور کبھی فعل حال کے صیغے اور کبھی ماضی شرطی کے۔ لفظ 'ہونا' مصدر لازمی ہے اور تصریف اس کی بعینہٖ طریق مذکور پر ہوتی ہے۔ مگر تین بات میں

۱۔ نسخہ مطبوعہ ۱۸۶۳ء میں اس جگہ 'گیا' ہے۔

فرق ہے: ایک یہ کہ موافق اُس قاعدے کے جو ماضی کے بیان میں ذکر کیا ، مناسب تھا کہ اس کی ماضی کے صیغے لفظ 'ہویا' وغیرہ ساتھ 'یا' کے ہوتے لیکن برخلاف قیاس 'ہوا' کہتے ہیں ساتھ ضمۂ 'ہا' اور بغیر 'یا' کے۔ دوسرا یہ کہ حرف 'یا' کہ اُس کے صیغۂ مضارع کی علامت میں آتا ہے ، اُس کو حذف کرنا درست ہے ، جیسا: 'ہو' اور 'ہوں' بولتے ہیں جگہ میں 'ہوے' اور 'ہوئیں کے'[1] اور تیسرا یہ کہ اُس کے مضارع کے صیغوں میں ایک حرف واو کو زیادہ کرنا صحیح ہے، جیسا :

میں ہووٴں	تو ہووے	وہ ہووے
ہم ہوویں	تم ہوؤ	وہ ہوویں

اور یہ تیسرا فرق جاری ہے ان تمام فعلوں میں کہ جن کے امر کے آخر میں حرفِ علت رہے، جیسا :

میں جاؤں	تو جاوے	وہ جاوے
ہم جاویں	تم جاؤو	وے جاویں
میں پیوں	تو پیوے	وہ پیوے
ہم پیویں	تم پیو	وے پیویں

اور لفظ 'جانا' بھی بطور مذکور بعینہٖ متصرف ہے مگر صیغۂ ماضی میں قیاس تھا کہ 'جایا' ہو لیکن 'گیا' بہ کاف فارسی کہتے ہیں اور اُس کا سبب افعال غیر صحیح میں بیان کروں گا لیکن عندالترکیب اُس کی ماضی کے صیغے بھی اپنی اصلی حالت پر رہتے چناں چہ ہیں ، 'جایا' 'چھنا'۔

۱۔ نسخہ مطبوعہ ۱۸۶۲ء میں اب جگہ 'ہوں' گئے ہے۔

باب دوم

مشتمل ہے چار فصل پر

فصل اول

بیان میں اقسامِ فعل کے

اگرچہ اقسام بیان کرتا ہوں افعال کے لیکن آسانی کے واسطے نظائر میں مصادر کو ذکر کروں گا۔ پس افعال کی دو قسم ہیں: لازمی اور متعدی۔ لازمی وہ کہ فقط فاعل میں معنی اُس کے تمام ہوں اور محتاج مفعول کی طرف نہ ہو ، جیسا: 'ہونا'، 'جانا'، 'سونا'۔ متعدی وہ کہ بغیر مفعول کے فقط فاعل میں تمام نہ ہو اور اس کی دو نوع ہیں: اول متعدی بنفسہٖ۔ وہ کہ بغیر واسطے کسی حرف زاید اور علامات کے متعدی ہووے ، جیسا: 'سمجھنا'، 'پوچھنا'، 'کھوجنا'، 'ڈھونڈھنا'۔ دوسرا متعدی بالواسطہ؛ وہ کہ بواسطہ کسی حرف و علامت کے متعدی ہووے۔ پس متعدی بالواسطہ کی تحقیق کے لیے چار نوع مقرر کی گئیں:

نوعِ اول:

یہ کہ مصدر خواہ لازمی ہووے یا متعدی ، اُس کی علامت مصدر کے ماقبل حرف 'ا' یعنی الف ساکن یا حرف 'وا' یعنی واو اور الف ساکن اور حرف 'لا' یعنی لام اور الف ساکن کے زیادہ کرنے سے متعدی بالواسطہ حاصل ہوتا ہے ، جیسا: 'بچنا'، 'بچانا'، 'بچوانا'، 'دبنا'، 'دبانا'، 'دبوانا'، 'ڈرنا'، 'ڈرانا'، 'بیٹھنا'، 'بٹھلانا'، 'چونا'، 'چلانا'، 'رونا'، 'رلانا'۔ اور اس قسم کے متعدی بالواسطہ میں اکثر اعراب کی تغیر و تبدیل ہوتی ہے ، اس لیے اُس کے بیان کے واسطے دو قانون مقرر کیے گئے۔

قانونِ اول:

یہ کہ حرف علت جو اُس فعل میں تھے ، علامت متعدی بالواسطہ کے داخل ہونے سے حذف ہو جاتے ہیں تلفظ سے ، اور ضمہ و فتحہ و کسرہ کہ اُس حرف علت پر تھے ، وے باقی رہتے ہیں ، جیسا: 'بولنا'، 'بلانا'، 'بھولنا'، 'بھلانا'، 'رونا'، 'رلانا'، 'گانا'، 'گوانا'، 'سیکھنا'، 'سکھانا'۔

قانونِ دوم:

یہ کہ اُن علامات کے داخل ہونے سے اُس فعل کی ایک حرکت ساقط ہو جاتی ہے ، جیسا: 'اٹکنا'، 'اٹکانا'۔ پس وہ فتحہ کہ 'اٹکنا' کے حرف 'ٹ' میں تھا وہ 'اٹکانا' کے حرف 'ٹ' میں نہیں ہے اور ایسے ہی 'برسنا'، 'برسانا'۔

نوعِ دوم:

یہ کہ حرف 'ا' یعنی الف ساکن فعل کے 'فا' کلمے کے بعد ہی لانے سے متعدی بالواسطہ حاصل ہوتا ہے ، جیسا 'تننا'، 'تانا'، 'تھمنا'، 'تھامنا'، 'ٹلنا'، 'ٹالنا'، 'دبنا'، 'دابنا'، 'مرنا'، 'مارنا'، 'اڑنا'، 'کٹنا'، 'کاٹنا'، 'بندھنا'، 'باندھنا'۔

نوعِ سوم:

یہ کہ تلفظ میں حرف 'واؤ' یا حرف 'یا' کو زاید کرنے سے متعدی بالواسطہ حاصل ہوتا ہے ، جیسا: 'گھلنا'، 'گھولنا'، 'کھلنا'، 'کھولنا'، 'پسنا'، 'پیسنا'، 'رکنا'، 'روکنا'۔

نوعِ چہارم:

یہ کہ ایک حرف صحیح کو دوسرے حرف کے ساتھ بدل کرنے سے متعدی بالواسطہ حاصل ہوتا ہے ، جیسا: 'بکنا'، 'بیچنا'، 'چھوٹنا'، 'چھوڑنا'، 'ٹوٹنا'، 'توڑنا'، 'جاننا'، 'جتانا'۔

فائدہ:

اکثر فعلوں کے متعدی کئی طور پر آتے ہیں ، جیسا: 'سیکھنا'، 'سکھانا'، 'سکھلانا'، 'بیٹھنا'، 'بیٹھانا'، 'بٹھانا'، 'بیٹھلانا'، 'بیٹھالنا'۔ بعد دریافت کرنے اس تفصیل کے معلوم کیا چاہیے کہ متعدی خواہ بنفسہ ہو یا بالواسطہ ، تین قسم سے خالی نہ ہوں گے: متعدی بیک مفعول ، جیسا: 'سمجھنا'، 'بوجھنا'، 'دبانا'، 'مارنا'، 'کاٹنا'۔ متعدی بہ دو مفعول ، جیسا: 'سمجھانا'، 'بجھانا'، 'مروانا'، 'کٹوانا'، 'دینا'۔ متعدی بہ سہ مفعول، جیسا: 'دلانا'۔ اور مطلق متعدی خواہ بہ یک مفعول ، خواہ بہ دو مفعول ، خواہ بہ سہ مفعول ، دو قسم ہیں: معروف کہ فاعل اُس کا فاعل معلوم ہو ، جیسا: 'سمجھنا'، 'بوجھنا'، 'دبانا'، 'دلانا'۔ مجہول کہ فاعل اُس کا معلوم نہ ہو، جیسا 'سمجھا جانا'، 'بوجھا جانا'، 'دیا جانا'، 'مارا جانا'، 'کاٹا جانا'، 'سمجھایا جانا'، 'بجھایا جانا'، 'کٹوایا جانا'، 'دبایا جانا'، 'دلایا جانا'۔ اور مجہول بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ ماضی کے صیغے کے ساتھ لفظ 'جانا' کے صیغوں کو ملاویں۔

فائدہ:

بعضے فعل مشترک ہیں درمیان لازمی و متعدی ، جیسا: 'خارش کھجلاتی ہے ، لازمی۔ اور وہ 'کھجلاتا ہے خارش کو' متعدی اور ایسے ہی 'کترانا' اور بعضے فعل کی صورت متعدی سی ہے پر فی الواقع لازمی ہے ، جیسا: 'کمہلانا'، 'اماتا'، 'کہلانا'، اور بعضے فعل اُس کے برعکس ہیں۔ چناں چہ 'نگلنا'، 'رگڑنا'، 'بدلنا'۔

فائدہ:

جتنے لازمی ہیں سب کے معنی کا حاصل رجوع کرے گا ایک متعدی مجہول کی طرف جیسا: 'بننا' یعنی 'بنایا جانا'۔

فصل دوم

بیان میں فعل وضعی و غیر وضعی و فعل مفرد و مرکب کے فعل وضعی ہندی وہ ہے کہ کسی واضع ہند نے اُس کو وضع کیا ہے ، جیسا: 'مارنا'، 'کاٹنا'، 'آنا'، 'جانا'۔ غیر وضعی وہ ہے کہ الفاظ غیر ہندی کے ساتھ علامت مصدر ہندی کی ملا کر مصدر بنا دیں ، مثلاً: 'قبولنا'، 'خریدنا'، 'بخشنا'، 'بدلنا'، 'داغنا'۔ یا کہ کسی اسماے جامد یا صفات ہندی کے ساتھ علامت مصدری ملاویں ، جیسا: 'سونا'، 'سٹھیانا'، 'پانی'، 'پنیانا'، 'موٹا'، 'مٹانا'، 'گرم'، 'گرمانا'۔ بہر صورت خواہ وضعی ہو یا غیر وضعی ، فعل کی دو قسمیں ہیں: بسیط یعنی غیر مرکب ، جیسا: 'دینا'، 'مارنا'، 'بخشنا'، 'بدلنا'، 'قبولنا'، 'مٹانا'، 'سٹھیانا'۔ مرکب وہ ہے کہ اُس دو جزو ہوویں۔ پس اُس کے مرکب کی دو نوع ہیں:

نوع اول:

یہ کہ ایک جزو اسم ہووے اور دوسرا فعل ، جیسا: 'غوطہ مارنا'، 'غوطہ کھانا'، 'فکر کرنا'، 'شرط کرنا'، 'رخصت کرنا'، 'موٹا کرنا'۔

نوع دوسری:

یہ کہ دونوں جزو فعل ہوویں۔ پس اُس نوع کا طریق اصلی یہ ہے کہ جزو اول امر واحد ہو ، جیسا: 'مارڈالنا'، 'دے ڈالنا'، 'کھا جانا'، 'گھبرا جانا'، 'بول جانا'، 'ہو سکنا'، 'کاٹ ڈالنا'، 'پھینک دینا'، 'سو رہنا'، 'جا رہنا'۔ اور کبھی جزو اول صیغہ ماضی ہوتا ہے مثلاً: 'چلا جانا'، 'جایا چاہنا'، 'مارا چاہنا'، 'ناچا کرنا'، اور کبھی جزو اول اسم حالیہ جیسا: 'بولتا جانا'، 'بولتے رہنا'۔ 'پیتا رہنا'، 'پیتے رہنا'، 'جاتا رہنا'، 'جاتے رہنا'۔ اور کبھی جزو اول مصدر ، جیسا: 'بولنے لگنا'، 'آنے پانا'، 'جانے دینا'۔

فائدہ:

ہندی فعل مرکب کے دونوں جزو کے درمیان لفظ 'دکھ' لانا درست ہے ، جیسا:
مصرع:

لازم نہیں کہ چھوڑ مجھے یار جایئے

یعنی چھوڑ جائے۔

فصل سوم

افعال کے بعضے احکام اور تذکیر و تانیث و وحدت و جمعیت کے بیان میں

جتنے افعال متعدی ہیں ، سبھوں کے صیغۂ ماضی کے فاعل کی علامت سوائے ماضی استمراری کے ، حرف 'نے' نہیں ہے، جیسا: 'میں لایا'، 'وہ بولا' یا 'تو کھا چکا'، 'وہ لے چکا'، 'میں لے سکا'، اور کبھی یہ ظریف شاذ حرف 'نے' فعل حال کے ساتھ لاتے ہیں ، مثلاً بیت ۔

سنتے ہی عطار نے یہ رنگ بو
کہنے لگا ہائے میاں ہو نہ ہو

اور کبھی حرف 'نے' ماضی متعدی کے فاعل سے حذف ہوتا ہے۔ جیسا مصرع

حارث لعیں کی عورت بجبرا رو پکاری

فعل ماضی متعدی قریب و بعید کے صیغے سوائے ان متعدیوں کے کہ جن کے ساتھ حرف نے مذکور نہیں ہوتا ہے

تذکیر و تانیث میں متابعت مفعول کی کرتے ہیں مثلاً:

مصرع

دی تھی خدا نے آنکھ پہ نا سور ہو گیا

اور چناں چہ 'ہندہ نے کھانا کھایا'، 'زید نے روٹی کھائی'۔ مگر جب علامت مفعول یعنی 'کو' و 'کتئیں' و حرف 'نے' مذکور ہو تب فعل متعدی ماضی مذکر ہی ہوگا، خواہ مفعول مذکر ہو یا مونث، جیسا: 'زید نے کھانے کو کھایا' اور 'عمر نے روٹی کو کھایا'۔ مصرع۔

ایک دم خالی نہ پایا اشک سے اس آنکھ کو

اور سوائے اُن صیغہ ہائے مذکور کے تمامی صیغے خواہ متعدی ہوں یا لازمی، تذکیرو تانیث میں فاعل کی موافقت کرتے ہیں، جیسا: 'ہندہ کھانا لائی'، 'سیتا یہ کلام بولی'، 'ہندہ مارتی ہے'، 'ہندہ گئی'، 'ہندہ جاتی ہے'۔ اور یہی حکم ہے فعل کی وحدت وجمع میں، یعنی سوائے لازمی اور سوائے اُن متعدیوں کے کہ جن کے ماضی میں حرف 'نے' نہیں لاتے ہیں، جتنے ماضی متعدی قریب و بعید ہیں، اُن کے صیغوں میں وحدت وجمع بہ رعایت مفعول ہوتی ہے، جیسا: 'ہم نے کھانا کھایا' یا 'سپاہیوں کے سامنے شراب کے پیالے ساقیوں نے رکھے'، بیائے مجہول۔ پس لفظ 'رکھے' کی جمعیت بسبب جمع ہونے مفعول کے ہے، یعنی پیالے بیائے مجہول مگر جب علامت مفعول مذکور ہوئے تب فعل واحد ہی ہوگا خواہ مفعول واحد ہو یا جمع، مثلاً: 'شراب کے پیالوں کو ساقیوں نے رکھا'۔

فصل چہارم

ہندی میں افعال دو قسم ہیں: صحیح وہ کہ جس میں تغیر و تبدیل یا زیادت یا حذف حروف کے تصریف کے وقت نہیں ہوتے ہیں، مثلاً: 'مارنا'، 'کاٹنا'، 'پہنچنا'، اور غیر صحیح وہ کہ جس میں عند التصریف تغیر و تبدیل یا حذف یا زیادت حروف کی واقع ہو، جیسا: لفظ

'کرنا' قیاس چاہتا ہے کہ صیغۂ ماضی اس کا 'کرا' ہوے لیکن 'را' کو حرف 'یا' کے ساتھ بدل کر کے 'کیا' کہتے ہیں۔ اور ایسے ہی لفظ 'مرنا' میں چاہیے کہ ماضی 'مرا' و 'مرے' وغیرہ ہوئے ، لیکن حرف 'را' کو 'واؤ' کے ساتھ بدل کر کے 'موا' کہتے ہیں۔ اور لفظ 'جانا' کے صیغۂ ماضی چاہیے کہ 'جایا' و 'جائے' وغیرہ ہوے ، لیکن اس جہت سے کہ حرف جیم وکاف فارسی کبھی ایک دوسرے کے ساتھ بدل ہوتے ہیں ، جیم کو کاف فارسی کے ساتھ بدل کیا تو چاہیے کہ 'گایا' بہ کاف فارسی ہوتا ، لیکن واسطے دفع التباس ومشابہت ساتھ لفظ 'گایا' کے کہ وہ ماضی ہے لفظ 'گانا' بکاف فارسی کا ، جو بہ معنی سرود کے واقع ہے۔ الف حذف کر کے 'گیا'، 'گئے' وغیرہ کہتے ہیں ، پر عندالترکیب دوسرے فعل کے ساتھ کبھی وہ اپنی حالتِ اصلی پر رہتا ہے ، جیسا: 'جایا چہتا'۔ اور لفظ 'ہونا' کے ماضی کا صیغہ چاہیے کہ لفظ 'ہویا' وغیرہ ہوے ، لیکن حرف 'یا' کو حذف کر کے 'ہوا' وغیرہ کہتے ہیں۔ اور جو فعل کہ اُس کے آخر میں حرفِ علت ہوے اُس کے مضارع میں قبل علامت مضارع کے کبھی ایک 'واؤ' زیادہ کرتے ہیں ، مثلاً: ہووے ، کھاوے ، پیوے۔ اور کئی ایسے نظر آتے ہیں کہ عندالتصریف اُس کی حرکات میں تغیر وتبدیل واقع ہوتی ہے ، جیسا: 'دینا' و 'لینا' کے صیغۂ ماضی چاہیے کہ 'دیا' و 'لیا' ساتھ دال ولام مکسور بکسرۂ مجہول ہوے لیکن کہتے ہیں بکسرۂ معروف۔ اور لفظ 'سمجھنا' کے ماضی کے صیغے چاہیے کہ 'سمجھا' بہ میم مفتوح ہوے لیکن کہتے ہیں 'سمجھا' بہ میم ساکن اور اسی طرح 'دبکنا'[1]، 'پھسلنا'، 'سرکنا'، 'نکلنا'، 'پگھلنا'، 'نگلنا'۔

۱- نسخۂ مطبوعہ ۱۸۶۳ء میں 'دبنا' ہے۔

باب سوم

بیان میں مجاز کے جو فعل میں ہوتا ہے اور ذکر میں بعضے فوائد کے جو حاصل ہوتے ہیں فعلوں سے

ماضی بعید کی جگہ مجازاً کبھی ماضی قریب کو استعمال کرتے ہیں ، جیسا: 'ہم کل اُس سے ناخوش ہوئے آج خوش ہیں' یعنی 'کل ناخوش تھے' اور جیسا: 'میں کل وہاں گیا ہوں' یعنی 'گیا تھا' اور کبھی ماضی کو مجازاً باعتبار قریب الوقوع کے مستقبل کی جگہ ذکر کرتے ہیں ، جیسا: 'کھانا لایا؟' 'ہاں صاحب لایا!' یعنی نزدیک ہے کہ لاؤں گا۔

ہندی میں مصدر کو کبھی صیغۂ امر یا نہی کی جگہ استعمال کرتے ہیں ، جیسا: مصرع ؎

عالم کو اے دیوانے مت ساتھ لے ڈبونا

یعنی 'مت ڈبو' اور کبھی صیغۂ مضارع مجازاً ماضی کے معنی میں آتا ہے ، جیسا: بیت ؎

بس جب حسین سرورِ بن کربلا میں آئے
دیکھیں تو سامنے سے کچھ لوگ ہیں پرائے

یعنی 'دیکھا' اور کبھی صیغۂ حال معنی میں ماضی کے ، جیسا: 'میں فلانی جگہ گیا تھا ، دیکھتا ہوں کیا کہ قضیہ مچ رہا ہے' ، یعنی 'دیکھا'۔ لفظ 'چاہنا' کے صیغے کو یا لفظ 'پر' یا 'والا' جب کسی فعل کے ساتھ ملا دیں تب استقبال قریب کا فائدہ حاصل ہوتا ہے ، جیسا: 'مرا چاہتا ہے' یا 'مرنے پر ہے' یا 'مرنے والا ہے' یعنی نزدیک ہے کہ مرے گا۔ اور اسی لفظ 'چاہنا' سے بے کئی الفاظ جو مشتق ہیں ، یعنی 'چاہیے' و 'چاہتا ہے' و 'چاہے گا' کدھی[1] کلام میں آنے سے مفید ہوتے ہیں معنی ضرورت یا مناسبت کو۔ مثلاً: 'تم کو چاہیے

۱۔ نسخہ مطبوعہ ۱۸۶۳ء میں 'کبھی' ہے۔

وہاں جانا' یعنی 'ضرور ہے' یا 'مناسب ہے'۔ فعل مرکب جب حاصل ہو لفظ 'کرنا' یا 'جانا' یا 'رہنا' کے ملانے سے تب وہ مفید ہوتا ہے معنی کثرت یا استمرار کو ، جیسا: 'ناچا کرو' یعنی 'اکثر اوقات میں'۔ پیتے رہو، یعنی 'ہمیشہ'۔ 'بولتے جاؤ' یعنی اکثر اوقات میں'۔

فائدہ:

کبھی کبھی فعل کو مکرر لاتے ہیں واسطے حاصل ہونے معنی کثرت کے ، جیسا: پُجن پُجن ، بولتے بولتے ، مارتے مارتے ، کھا کھا ، کھاتے کھاتے ، چلتے چلتے۔

فائدہ:

جس وقت ایک صیغۂ ماضی مذکر اور ایک ماضی موٴنث کا مرکب ہو تب وہ دلالت کرتا ہے مشارکت پر اور چاہے ہے طرفین کو ، جیسا: 'مارا ماری'، 'دیکھا دیکھی'۔

فائدہ:

جب لفظ 'بننا' یا 'پڑنا' کے صیغۂ دوسرے مصدر یا حال کے ساتھ ترکیب پاویں ، تب مفید ہوتے ہیں معنی ضرورت کو ، جیسا: 'جانا بنا'، 'جانا پڑا'، 'جاتے بنا'، 'کھانا بنا'، 'کھانا پڑا'، یعنی 'جانا' یا 'کھانا ضرور ہوا'۔

فائدہ:

امر کے جمع کے صیغے کو اکثر تعظیم کے مقام میں بولتے ہیں ، جیسا: 'آؤ' اور امر واحد سے مستفاد ہوتی ہے کدھی ، عزت یعنی پیار ، جیسا: شعر

آنجھ نین میں بس کہ بنایا تیرے لیے

یہ خیمۂ سیاہ و سفید بنا پُنی

اور کبھی تحقیر ، جیسا: لفظ 'آلے' و 'کھالے' وغیرہ۔ اس طرح کے افعال اکثر جزا طالب ہیں ، جیسا: 'وہ آلے تب میں جاؤں گا'۔

فائدہ:

لفظ 'جاتا' وغیرہ اس طرح کے الفاظ جو ایسے کلام میں واقع ہیں ، یعنی 'میں جاتا تو اُسے خوب مارتا' ماضیِ شرطی ہے۔ لفظ 'ہے گا' و 'ہیں گے' مفید ہیں معنی حال کو ، جیسا: 'مارا ہے گا' و 'مارے ہیں گے'۔ اور لفظ 'ہوں گا' و 'ہوگا' و 'ہوگے' جب کسی فعل ماضی کے ساتھ مرکب ہویں تب مفید ہوتے ہیں اشتباہ کے تئیں ، جیسا! 'میں سمجھا ہوں گا'، 'تو سمجھا ہوگا'، 'وہ سمجھا ہوگا'، 'ہم تم وے سمجھے ہوں گے'۔ لفظ 'لگنا' کے ساتھ جب کوئی فعل مرکب ہووے تب فائدہ شروع فعل کا دیتا ہے ، جیسا: 'آنے لگا'، 'کھانے لگا'، یعنی کھانا شروع کیا اور لفظ 'چکنا' کے ساتھ جب مرکب ہو کوئی فعل ، تب فائدہ انتہائے فعل کا حاصل ہوتا ہے ، جیسا: 'کھا چکا' یعنی 'کھانا تمام ہوا'۔ امر واحد کے ساتھ تعظیم کے مقام میں اکثر لفظ 'یے' یا 'یگا' بہ یائے معروف اور 'جیے' 'جیے گا' ملاتے ہیں، جیسا: 'ماریے'، 'ماریے گا'، 'ہوئیے'، 'ہوئیے گا'، 'پائیے'، 'پائیے گا'، 'ہوجیے'، 'ہوجیے گا'، 'دیجیے'، 'دیجیے گا'، 'لیجیے'، 'لیجیے گا'۔ اور کبھی لفظ 'یے' کے ضم کرنے سے فائدہ مضارع کا حاصل ہوتا ہے ، جیسا: 'وہاں پہنچتے ہی یک بارگی میرے خیال میں آیا کہ فلانی جگہ چلیے ، یعنی 'چلوں'۔

بحث سوم

حرف وہ لفظ ہے کہ بغیر ملانے دوسرے لفظ کے معنی اُس کے سمجھے نہ جائیں۔ پس حروف 'سے' و 'سی' و 'سوں' کدھی آتے ہیں واسطے ابتدا کے۔ اور حروف 'تک' و 'تلک' و 'لے' و 'لگ' و 'توڑی' واسطے انتہا کے ، جیسا: 'سیر کی ہم نے لکھنؤ' سے' مرشدآباد 'تک'، یعنی 'شروع سیر کا لکھنؤ و انتہا مرشدآباد میں' اور کبھی یہی حرف 'سے' و 'سی' و 'سوں' واسطے بیان کے آتے ہیں ، جیسا: 'اُس کو کس بات کی کمی' روپے 'سے'، اجناس 'سے' کپڑے 'سے'۔ اور کبھی معنی میں بعض کے ، جیسا: 'زید قوم

مسلمان سے ہے' یعنی 'بعض فرد اُس کا'۔ اور کبھی معنی میں سبب کے جیسا: مصرع:

توشور سے میرے بھی بے زار نہ ہو ہرگز

یعنی 'بہ سبب شور کے'۔ اور کبھی استعانت کے معنی میں ، جیسا: 'اُس نے دو توپوں سے' قلعہ چھین لیا' اور حرف 'میں' واسطے ظرفیت کے ، خواہ مذکور ہو ، جیسا: 'چراغ میں تیل نہیں' یا مقدر ، جیسا: 'کل میں تیرے گھر گیا تھا' یعنی 'گھر میں'۔ حرف 'کو' و 'کے تئیں' و حرف 'ے' یعنی یاے مجہول علامت ہیں مفعول کی ، جیسا: 'اُس کو مارا'، 'اُس کے تئیں' یا 'اُسے مارا'۔ اور کبھی حرف 'کو' ظرف کے معنی میں آتا ہے ، جیسا: 'گھر کو گیا'، 'لکھنؤ کو جاؤں گا' یعنی 'گھر میں' یا 'لکھنؤ میں'۔ اور کبھی معنی عوض کو مفید ہوتا ہے ، مثلاً: 'یہ گھوڑا کتنے 'کو' بیچو گے؟' یعنی 'کتنے روپے کے عوض'۔ حرف 'ساتھ' واسطے معیت واتفاق کے ہے ، جیسا: 'ہم کو وہ اپنے ساتھ لے چلے گا'۔ حرف 'پر' دلالت کرتا ہے استعلا پر ، جیسا: 'زید کوٹھے 'پر' ہے' اور کبھی معنی میں 'لیکن' کے۔ مثلاً:

<u>بیت:</u>

جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہمدم

پر سخن تا بہ لب نہیں آتا

اور کبھی ظرفیت کے معنی کو مفید ہوتا ہے ، جیسا: 'تم میرے گھر آؤ'۔ یعنی 'گھر میں' یا 'وہ کتاب گھر پر ہے'، یعنی 'گھر میں'۔ حرف 'جو' اور حرف 'کہ' یعنی کاف عربی مکسور آتے ہیں واسطے بیان ماقبل کے ، مثلاً: 'کشن نے کہا دوتی سے 'جو' پیاری کے پاس جاؤ'، 'زید نے کہا عمرو کو کہ میں کل باغ کو جاؤں گا'۔ حرف 'نہ' و حرف 'مت' و 'نہیں' واسطے نفی کے ہیں اور مثال اُس کی ظاہر ہیں۔ اور حرف 'ا' یعنی الف مفتوح و 'ان' و 'نر' و 'ن' یعنی نون مکسور دلالت کرتا ہے نفی پر ، جیسا: 'اٹل' یعنی 'ٹلنے والا نہیں'، 'ان پڑھا'، 'نرل'، 'نڈر'۔ حرف 'ای' بہ الف مفتوح و 'اری' بہ الف مکسور و 'ارے' بہ

یاے مجہول و 'اری' بہ یاے معروف ، وحرف 'او' بہ واو مجہول و 'رے' بہ یاے مجہول و 'ابے' و 'اجی' و 'ہوت' و 'یا' وحرف 'ا' یعنی الف ساکن یہ سب حروف ندا ہیں ، مثلاً: 'اے لڑکے'، 'او چھوکرے'، 'اری ہندہ'، 'اے مردک'، 'اجی میاں'، 'کبرو ہوت'، 'یا خدا'، 'خدایا'، 'ساقیا'۔ حرف 'یو' جب فعل امر کے آخر میں آوے تب فائدہ دعا کا حاصل ہوتا ہے ، خواہ نیک ہو یا بد ، جیسا: 'خوش رہیو'، 'یا مریو'، یعنی میں دعا کرتا ہوں خدا کے یہاں کہ تو خوش رہے' یا کہ 'مرے'۔ حرف 'کاف' و 'چہ' سوافق فارسی کے علامت تصغیر کی ہیں ، جیسا:

'مردک'، 'باغیچہ' یعنی 'چھوٹا آدمی' و 'چھوٹا باغ'۔ حرف 'ا' یعنی الف ساکن و حرف 'وا' متعدی بالواسطہ کی علامت ہیں ، جیسا: 'بچنا'، 'بچانا'، 'بچواتا'۔ حرف 'کر' بہ کاف عربی ترجمہ حرف 'با' کا ہے فارسی میں ، مثلاً: مصرع

گھر ہمارا خانہ اللہ کر مشہور تھا

یعنی 'بخانہ خدا' اور وہی حرف 'کر' اکثر محصولات پر واقع ہوتا ہے' جیسا: 'بن کر'، 'جل کر' اور کبھی فاعلیت کو مفید ہوتا ہے ، جیسا: 'دن کر' آفتاب کو کہتے ہیں ، یعنی 'دن کرنے والا'۔ حرف 'سا' و 'آنہ' حرف تشبیہ ہیں ، مثلاً: 'مرد سا'، 'مردانہ'، یعنی 'مرد کے برابر'۔ حرف 'اور'، و 'پُن' و 'وو' و 'پر' و 'لیکن' و 'بھی' و 'پھر' حروف عطف ہیں۔ اور حرف 'یا' وحرف 'کی' بہ یاے معروف و 'نہیں تو' و 'خواہ' و 'چاہو'، حروف تردید ہیں ، مثلاً: 'میں تم کو روپے نہیں دیئے کا' خواہ 'خوش ہو یا بیزار' ولفظ 'اگر' و 'جو' حرف شرط ہیں۔ وحروف 'تو' و 'پس' حرف جزا ، جیسا: 'اگر' یا 'جو' تم میرے یہاں آؤ 'تو' یا 'پس' تم کو میں روپے دوں گا۔ اور کبھی حرف 'تو' زاید ہوتا ہے، مثلاً: مصرع

صاف تو کہہ کہ میاں تم تو ہوے اہلِ نصاب

اور لفظ 'سوائے' و 'مگر' و 'ورا' و 'ماورا' حروف استثنا ہیں ، جیسا: 'آئے

ہمارے پاس طلبہ 'سوائے' زید کے'۔ لفظ 'ہاں' حرفِ ایجاب ہے ، مثلاً: 'تم نے فلانی کتاب پڑھی؟' بندہ نواز 'ہاں'۔ لفظ البتہ واسطے تاکید ، اثبات یا نفی کے ہے اور 'ہرگز' واسطے تاکیدِ نفی کے ہے۔ اور کبھی مصدر کے بعد حرف 'کا' لانے سے معنی ہرگز کے حاصل ہوتے ہیں ، جیسا: 'میں نہیں دینے کا' یعنی 'ہرگز' نہیں۔ لفظ 'ہی' بہ یائے معروف واسطے حصر یا تاکید کے آتا ہے ، مثلاً: اُس شہر میں کشن 'ہی' داتا ہے یعنی 'دوسرا کوئی نہیں'۔ 'یہی آدمی'، 'اسی کو دو'۔ 'کیا 'ہی' آدمی ہے'!

مصرع سنتے 'ہی' یہ دل کو لگی اُس کے چوٹ

فائدہ:

اکثر حروف فارسی و عربی ہندی میں مستعمل ہیں ، جیسا: 'از'، 'بر'، 'بہ'، 'نے'، 'با'، 'غیر'، 'جز'، 'تا'، 'فی'، 'من'۔ اور کبھی حروف مکرر ایک سے زیادہ لاتے ہیں ، مثلاً:

'اس کے تیئں کو دیا'۔ مصرع

صبح سے تا شام تلک خوض کر

اور گھر میں سے ، 'گھوڑے پر سے'۔

فائدہ:

اکثر حروف دو لفظ کے درمیان واقع ہوتے ہیں ، مثلاً: حرف 'ب' و 'ا' یعنی الف ساکن و 'بے' و 'واؤ' و 'نہ' و 'کا' و 'کے' و 'کی'، جیسا: 'دربدر'، 'دوبدو'، 'سال بسال'، 'جابجا'، 'لبالب'، 'دوڑا دوڑ'، 'چھپا چھپ'، 'گاہ بیگاہ'، 'گفت وگو'، 'رات ورات'، 'لال ولال'، 'کدھی نہ کدھی'، 'کچھ نہ کچھ'، 'کہیں نہ کہیں'، 'کھیت کا کھیت'، 'جنگل کا جنگل'، 'غٹ کے غٹ'، 'رات کی رات'۔

مقالۂ دوم مرکبات میں

مرکب وہ ہے کہ دو لفظ یا زیادہ سے حاصل ہووے ، اس طرح کہ جزو لفظ جزو معنی پر دلالت کرے ، مثلاً: 'زید کا گھوڑا' پس زید دلالت کرتا ہے اپنے معنی پر اور گھوڑا اپنے معنی پر۔

یہ مقالہ مشتمل ہے دو بحث پر

بحث اول

مرکب غیر کلامی وہ ہے کہ سننے (سننے) والا اُسی پر اکتفا نہ کرے بل کہ منتظر رہے دوسری بات کا۔ پس مرکب غیر کلامی کی چار نوع ہیں۔

نوعِ اول:

توصیفی ، وہ کہ صفت و موصوف سے مرکب ہووے ہندی ترکیب توصیفی میں اصل یہ ہے کہ صفت مقدم ہووے موصوف پر ، مثلاً: 'اچھا شہر'، 'بھلا مانس'۔ اور فارسی ترکیب توصیفی میں اصل یہ ہے کہ موصوف مقدم ہو صفت پر ، اور اس صورت میں موصوف مکسور ہو گا ، جیسا: عاشقِ پاک ، مردِ نیک ، اور عکس اُس کا بھی صحیح ہے ، لیکن اس صورت میں موصوف مکسور نہ ہوگا ، جیسا: 'پاک عاشق'، 'نیک مرد'۔ اور ہندی صفت و موصوف کے درمیان موافقت شرط ہے تذکیر و تانیث میں ، مثلاً: 'اچھی لڑکی' بہ یائے معروف۔ اور وحدت و جمع میں ، جیسا: 'اچھا لڑکا'، 'اچھے لڑکے' بہ یائے مجہول۔ اور حالات میں ، جیسا: 'بھلا بندہ'، حالتِ فاعلی میں ، 'اچھے لڑکے کو'، حالتِ مفعولیت میں ، اور 'اچھے لڑکے کا' وغیرہ حالتِ اضافت میں۔

فائدہ:

جب دو لفظ مل کر ایک اسم کی صفت واقع ہو ، تب اس مرکب کے جزو آخر کی تذکیر و تانیث میں موصوف کی رعایت کرتے ہیں ، مثلاً: 'ٹنگری ٹوٹا مرد'۔ پس لفظ 'ٹنگری'

مؤنث ہے۔ چاہے کہ 'ننگری ٹوٹی' بہ یاے معروف کہتے ، لیکن بہ رعایت مرد کے 'ننگری ٹوٹا' کہتے ہیں ، اور ایسے ہی 'جھولی بھرا لڑکا' اور 'باپ موئی لڑکی'۔

نوعِ دوم:

ترکیب اضافی وہ ہے کہ مضاف و مضاف الیہ سے مرکب ہووے اور ہندی ترکیب اضافی میں اصل یہ ہے کہ مضاف الیہ مقدم ہو مضاف پر ، جیسا: 'مرد کا گھر' اور 'اُس کا غلام'۔اور عکس بھی درست ہے ، مثلاً: 'گھر مرد کا'، 'غلام اُس کا'۔اور جمیع اضافت فائدہ تخصیص کا دیتی ہے ، چناں چہ: 'مرد کا گھر' یعنی 'عورت کا نہیں' اور اُس کا بیان ہو چکا بحث اسما کے باب چہارم کی فصل چہارم میں۔

نوعِ سوم:

ترکیب تعدادی کہ دو عدد سے مرکب ہووے جیسا 'گیارہ'، 'بارہ'۔

نوعِ چہارم:

ترکیب امتزاجی وہ ہے کہ دو لفظ مل جاویں اس طرح کہ گویا ایک لفظ ہے ، اور وہ مرکب کسی چیز کا نام ہووے ، جیسا: 'کلکتہ'۔پس یہ لفظ مرکب ہے دو لفظ سے: 'کالی' نام ایک دیوی کا ہے اور 'کتہ' بمعنی مالک کے ، اور کثرت استعمال کے سبب الف کو حذف کر کے کلکتہ کہتے ہیں۔اور اسی طرح 'اکبر آباد'، 'شاہ جہاں آباد'، 'رام نگر'، 'جہانگیر نگر'، 'غازی پور'، 'جون پور'، 'انوپ شہر'، 'فتح گڑھ'، 'شاہ گنج'، 'بھگوان گولہ'، 'گوپا مئو'، 'سکندر نامہ'۔اور سوائے ان چاروں کے اور بہت سی ترکیبیں غیر کلامی ہندی میں واقع ہیں کہ وے مسمّیٰ کسی نام کر نہیں ، چناں چہ اکثر مرکبات کہ وے صفات ہیں ، بحث صفات میں مذکور ہوئے ، اور بعضے صفات کے آخر میں حرف یاے معروف کے لائق ہونے سے معنی مصدری حاصل ہوتے ہیں ، مثلاً: 'دوست'، 'دوستی'، 'دشمن'، 'دشمنی'، 'ترش'، 'ترشی'، 'مرد'، 'مردی'، 'بڑا'، 'بڑائی'، 'میٹھا'، 'میٹھائی'، 'مہربان'، 'مہربانی'، 'بے صبر'، 'بے صبری'، 'بے وقر'، 'بے وقری'، 'کم'، 'کمی'، 'ناچار'،

'ناچاری'۔ اور کبھی یاے معروف واسطے نسبت کے آتی ہے ، چناں چہ: 'عربی'، 'ہندی'، 'فارسی'، 'عیسوی'، 'موسوی'، وغیرہ۔ حرف 'آئی' و 'گی' و 'پن' و 'پنا' و 'پا' و 'اپن' و 'ہٹ' و 'آہٹ' و 'وٹ' و 'ایش' و 'ول' و 'ش' یعنی شین ساکن آخر میں آنے سے معنی مصادر کے ہوتے ہیں ، جیسا: 'سیوک'، 'سیوکائی'، 'ادھک'، 'ادھکائی'، 'ترش'، 'ترشائی'، 'زندہ'، 'زندگی'، 'موٹاپن'، 'زنان پن'، 'بیواپنا'، 'دیوان پنا'، 'موٹاپا'، 'بڑھاپا'، 'احمقاپن'، 'بلاہٹ'، 'سنسناہٹ'، 'کڑواہٹ'، 'سیدھاوٹ'، 'آزمایش'، 'سوزش'، 'گردش'، 'فرمایش'، 'کھول'، 'پچول'، 'گھروَل'۔

فائدہ:

اکثر لفظ میں 'انا' کے لاحق ہونے سے معنی مکان کے حاصل ہوتے ہیں ، جیسا: 'سر' 'سرہانا' یعنی سر کی جگہ ، 'پانو، پیتانا'۔ لفظ 'اس' آخر میں آنے سے معنی شوق کا فائدہ دیتا ہی ، چناں چہ: 'پیاس'، 'موتاس'۔ کبھی حرف نون ساکن و حرف 'الف' اور حرف 'وا' اور حرف 'وٗ' یعنی واو معروف کو ترکیب دینے سے معنی تصغیر یا تحقیر یا وصفیہ کے حاصل ہوتے ہیں ، جیسا: 'پیرن'، 'میرن'، 'بخشا'، 'مینگنا'، 'بخشوا'، 'پیرو'، 'دینو'، 'لادو'، 'ڈھالو'۔ اور ایسے حرف 'ڑا' اور 'ڑی' بہ یاے معروف و حرف کاف ساکن و 'یا' کے آنے سے تصغیر یا تحقیر ہوتی ہے ، جیسا: 'آنکھ'، 'انکھڑی'، 'پاگ'، 'پگڑی'، 'کھال'، 'کھلڑی'، 'دام'، 'دمڑی'، 'گانٹھ'، 'گٹھڑی'، 'پھوڑا'، 'پھوڑیا'، 'مرد'، 'مردک'، 'توپ'، 'توپک'، 'سبز' 'سبزک'۔ کبھی لفظ 'خانہ' و 'دان' و 'گاہ' 'ستان' و 'ستھان' و 'زار' و 'واڑی' و 'باری' و 'سال' و 'سالہ' کو آخر میں لانے سے معنی ظرفیت کے حاصل ہوتے ہیں ، جیسا: 'کتب خانہ' 'نوبت خانہ'، 'ناس دان'، 'قلم دان'، 'شمع دان'، 'خواب گاہ'، 'سحر گاہ'، 'ہندوستان'، 'دبستان'، 'دیوستھان'، 'راجھستان'[1]، 'کشورستان'، 'لالہ زار'، 'گل زار'، 'پھلواری'، 'خانہ

---

[1] نسخۂ مطبوعہ ۱۸۴۰ء میں 'راجستان' ہے لیکن نسخۂ مطبوعہ ۱۸۶۳ء میں 'راجھستان' ہے۔

بازی'، 'ٹکسال'، 'گاؤ ُسالہ'۔لفظ 'فی' اور 'در' اور 'ال' ہیں واسطے ظرفیت کے ، جیسا: 'فی الفور'، 'الحال'، 'درماہ'، 'درکار'، 'درمیان'۔لفظ 'سدا' اول میں جب واقع ہوتب دال ہوتا ہے معنی دوام پر ، جیسا: 'سدابہار'۔

بحث دوم

کلام اور جملہ وہ مرکب ہے کہ سامع اُس کے سننے کے بعد محتاج نہ رہے دوسری بات کا۔ پہلے جاننا چاہیے کہ جملہ بنانے کے واسطے ایک مسند اور مسند الیہ چاہے اور دونوں میں ربط کے واسطے ایک رابط ضرور۔ پس ہندی میں لفظ 'ہوں'، 'ہی'، 'ہیں' 'ہو' رابط غیر زمانی ہیں اور لفظ 'ہونا' کے جمیع صیغے اور لفظ 'تھا' و 'تھے' بہ یائے مجہول و 'تھی' بہ یائے معروف و 'تھیں' یا 'تھیاں' بہ یائے معروف کی دو حالتیں ہیں۔ایک یہ کہ افعالِ ناقصہ ہوں ، اُس صورت میں وے بھی رابطہ زمانی ہیں۔دوسری یہ کہ بہ معنی وجود کے ہوں؛ اس صورت میں وے فعل لازمی ہیں جیسا: 'لڑکا ہوا' بہ معنی جنا زمان حال میں یا 'عمرو تھا' زمان سابق میں۔

قسم اول:

جملہ اسمیہ وہ کہ مرکب ہووے مبتدا و خبر سے اور تمام کلام اسمیہ میں روابط مذکور ہوتے ہیں ، جیسا: 'میں عالم ہوں'، 'تو دانا ہے'، 'وہ فاضل ہے'، 'ہم غریب ہیں' 'تم طالع ور ہو'، 'وے جانے والے ہیں'، 'زید فاضل ہوا'، 'زید و عمرو فاضل ہووے'، 'میں کامل ہوں گا' وغیرہ۔ 'رام نہا کرتا' 'سیتا ستی تھی'۔

قسم دوم:

جملہ فعلیہ وہ کہ ترکیب پاوے فعل و فاعل سے اور ہندی میں سزاوار ہے یہ کہ فاعل و مفعول مقدم ہوں فعل پر اور عکس اس کا بھی درست ہے۔اور جملہ فعلیہ میں اکثر روابط مذکور

رہتے ہیں۔ جب اُس جملے میں فعل ماضی بعید یا ماضی استمراری یا حال ہو ، جیسا: 'زید آیا تھا'، 'لڑکا ہوا ہے'، 'میں نے مارا ہے زید کو'، وغیرہ۔ 'زید آیا تھا'، 'لڑکا ہوا تھا'، 'میں نے مارا تھا زید کو' وغیرہ۔ 'زید آتا تھا'، 'لڑکا ہوتا تھا'، 'میں مارتا تھا زید کو'، وغیرہ۔ 'زید آتا ہے'، 'لڑکا ہوتا ہے'، 'میں مارتا ہوں زید کو'، وغیرہ۔ اور سوائے اس کے باقی جملۂ فعلیہ میں مقدر رہتا ہے ، جیسا: 'میں ماروں گا'، 'وغیرہ۔ 'تو مار'، وغیرہ۔ 'میں ماروں'، وغیرہ۔ 'میں مارتا'، وغیرہ۔

فائدہ:

وقت پائے جانے قرینے کے فعل کو جملے سے حذف کرنا درست ہے ، خواہ قرینۂ مقالیہ ہو ، جیسا: لفظ 'نہیں' جواب میں اُس شخص کے کہ کہے 'کھانا لایا'؟ 'نہیں' یعنی 'نہیں لایا'۔ یا کہ ایک شخص نے پوچھا کہ 'میں وہاں جاؤں'؟ جواب دیا کہ 'مت' یعنی 'مت جاؤ'۔ یا کہ جواب میں کہے لفظ 'اوہوں' بہ واو اول معروف وہائے مضموم وواو ساکن و نون غنہ۔ یا کہ لفظ 'ہاں' جواب میں اُس شخص کے کہ پوچھے 'کھانا کھاؤ گے'؟ 'ہاں' یعنی 'ہاں کھاؤں گا'۔ اور خواہ قرینۂ حالیہ ہو ، جیسا: ایک شخص نے پوچھا 'تم باغ کو جاؤ گے'؟ اور دوسرے نے انکار کیا اشارے سے سر کے یا ہاتھ کے ، یا قبول کیا اشارے سے۔

خاتمہ

مشتمل ہے چار فصل پر

فصل اول

حال وہ کہ بیان کرے ہیئت فاعل کی ، جیسا: 'زید سوار چلا جاتا ہے' یعنی جاتا ہے جس حالت میں کہ وہ سوار ہے ، اور اُسی طرح 'عمرو سوتا پڑا ہے'۔ یا کہ بیان کرے ہیئت وشکل مفعول کی ، مثلاً: 'زید کو مارتے دیکھا' یعنی زید کو دیکھا جس حالت میں کہ وہ مارتا تھا کسی کو ، یا اُس کو مارتا تھا کوئی۔ بعضے کلام میں حال واقع ہوتا ہے ، اس طرح کہ احتمال دونوں سے حال رونے کا رکھے ، یعنی فاعل سے اور مفعول سے ، جیسا: 'میں نے گھوڑے کو روتے دیکھا'۔ پس اس کے دو معنی ہیں ، ایک یہ کہ میں نے اپنے رونے کی حالت میں گھوڑے کو دیکھا ، اُس صورت میں لفظ 'روتے' حال فاعل کا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ میں نے گھوڑے کو دیکھا جس حال وہ گھوڑا روتا ہے ، اور اسی صورت میں حال ہے مفعول سے ، اور ہندی میں تذکیر وتانیث حال کی بہ رعایت ذی الحال کی ہوتی ہے ، چناں چہ: 'زید سوتا پڑا تھا'، 'ہندہ سوتی پڑی تھی'۔

فصل دوم

تمیز وہ کہ دفع کرے ابہام وشک کو اس کی علامت اکثر ہے حرف 'سے' یا 'بائے' موحدہ چناں چہ: 'زید زبردستی سے یا بجبر چھین لیا' ، یعنی جبراً ، اور حرف 'کر' بہ کاف عربی جیسا: 'میں نے عبارت بھول کر لکھی' ، یعنی سہواً ، اور کبھی وے علامتیں مقدر رہتی ہیں اور تذکیر وتانیث تمیز کی موافق ممیز عنہ کے ہوگی ، جیسا: 'وہ عورت بھلی ناچتی ہے' ، جب ممیز عنہ عورت ہو۔ اور 'بھلا ناچتا ہے' جب ممیز عنہ مرد ہو۔

فصل سوم

دو نوع ہیں

نوعِ اول:

یہ کہ موضوع با معنی ہو اور اس نوع کی چار قسمیں ہیں: اول ، صفت کہ تابع ہے موصوف کا ، جیسا: 'اچھا شہر'، 'بھلا مانس'۔ اور اُس کا بیان مرکبات غیر کلامی میں کما حقہٗ ہوا ہے۔

دوسرا ، عطف۔ حروف عطف ہندی میں ہیں لفظ 'اور' و 'بِن' و بائے فارسی مضموم و حرف 'واو' وغیرہ کہ بحثِ حروف میں مذکور ہوئے۔ پس حرف عطف کے قبل جو لفظ ہو اُس کا نام معطوف علیہ اور بعد حرف عطف کے جو ہو اُس کا نام معطوف ہے۔ اور معطوف و معطوف علیہ کے درمیان موافقت شرط ہے حالات میں۔ یعنی اگر معطوف علیہ فاعل ہو تو معطوف بھی فاعل ہوگا ، جیسا: 'وہ آیا' اور 'یہ لڑکا پہنچا' اور 'بندہ گیا اور لڑکا بھی'۔ اگر معطوف علیہ مفعول ہو تو معطوف بھی مفعول ہوگا ، جیسا: 'اس گھر اور اس گھر کو توڑوں گا'، 'لڑکی اور گھوڑی کو یہاں لاؤ'۔

تیسرا ، تاکید۔ وہ کہ مقرر کرے اپنے ماقبل کو ، جیسا: 'آئے مرد سب'، 'اُن سبھوں نے کھایا'، پس لفظ 'سب' اور 'سبھوں' واسطے تاکید جمعیت کے ہے۔ چوتھا ، بدل۔ جیسا: 'اے زید تیرا دینا بھیا پہنچا' پس لفظ 'بھیا' بدل ہے 'دینا' سے۔

نوعِ دوم:

یہ کہ توابع مہمل و بے معنی ہوئے۔ اگرچہ کبھی ترکیب اُس کی ساتھ مطبوع کے مفید ایک معنی کو ہوئے ، جیسا: 'چھری اُری'، پس لفظ 'اُری' بے معنی ہے ، اگرچہ اُس کی ترکیب سے معنی حاصل ہوتے ہیں ، مثلاً شکاری شکار کے مرنے کے خوف سے کہے کہ 'چھری اُری لاؤ' یعنی اگر چھری موجود ہے تو چھری لاؤ ، نہیں تو لاؤ کوئی ایسی چیز کہ اُس سے ذبح ہو سکے۔ اور اسی طرح 'روٹی اوٹی'، 'لڑکی پڑکی'، 'چوکی ووکی'۔

فصل چہارم

بعضے فوائد میں

لفظ 'ملنا' و 'پہنچنا' و 'بھانا' و 'پھبنا' و 'سوجھنا' و 'لگنا' کے صیغے اگرچہ افعال لازمی ہیں ، لیکن ان کے ساتھ اکثر متعلقات بصورت مفعول کے آتے ہیں ، اگرچہ وے فی الحقیقت مفعول نہیں ، مثلاً: 'فلانی چیز ملی مجھے'، 'تجھے وہاں پہنچنا ضرور'، 'مجھے جانا بنا'، 'یہ کام تجھے بھاتا نہیں' یا 'اُسے پھبتا نہیں'، 'تجھے یہ چیز سوجھی نہیں'، 'تمھیں کیا یہ کام خوش نہیں لگتا'۔ اور جس طرح فعل متقضی ہے فاعل اور مفعول کا ایسے ہی مصدر بھی ، جیسا: 'اس کو مارنا مناسب نہیں'، 'اُس چیز کو کھانا خوب نہیں'۔

فائدہ:

جب دو شے کو جو بہ حسب مراتب مختلف ہوں ، ایک جملے میں لاویں ، اکثر ابتدا ادنیٰ سے کرتے ہیں ، جیسا: 'ماں باپ'، 'چھوٹا بڑا'، 'جورو خصم'، 'کم وبیش'، 'رادھا کشن'، 'سیتارام'۔

فائدہ:

کلمۂ 'سبحان اللہ' واسطے تعجب کے ہے اور لفظ 'واہ وا' و 'شاباش'، 'مرحبا'، 'ماشاءاللہ' کلمے تحسین کے ہیں۔

فائدہ:

'دھنسنا' اور 'دھسکنا' دونوں مترادف ہیں۔ ایسے 'چوسنا'، 'چسکنا'، 'ہلنا'، 'ہلکنا'۔ اور بطور تکیۂ کلام اکثر یہ الفاظ ذکر کرتے ہیں ، یعنی 'جو ہے سو'، 'تمھارے سو خیر'، 'صاحب'، 'مہربان'، 'ناخدا'، 'چشم بدور'۔

تمت

maablib.org